www.shibliinternational.com

Aug. 2021 اگست

ISSN: 2581-9216

ماہنامہ صدائے شبلی حیدرآباد

Urdu Monthly **SADA E SHIBLI** Hyderabad

ایڈیٹر مولانا ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی

قیمت: -/20 روپے

ABDUL WAHED
PROPRIETOR
Cell: 98480 36940

For Orders : 90302 02018
86396 32178
89197 03547

KGN XLNT TEA
Rich Aroma, Refreshing Taste
•PREMIUM QUALITY TEA

KGN TEA SALES

UMBRELLA BRAND TEA
Rich Aroma, Refreshing Taste
•GOLDEN QUALITY TEA

WHOLESALE & RETAIL TEA MERCHANT

S.No.: 22-1-114, Jambagh, Kali Khabar Main Road, Dar-ul-shifa, Hyderabad - 500 024, TS
Off.: 5-3-989, 104, First Floor, Sherza Estates, N.S. Road, M.J. Market, Hyderabad - 500 095
email: kgnteasales@gmail.com

Shoe world
STYLISH & QUALITY FOOT WEAR
Estd. 1963

SHOE WORLD CIRCLE
Pathergatti, Hyderabad. Ph.: 040 24576852

SHOE WORLD
Abids, Hyderabad, Ph.: 040 24608208

M. HILAL COLLECTION
Wholesale & Retail

Spl. in:
Lucknavi Chicken Suits,
Kurta Pyjamas,
Readymade Suits,
Nighties, Tops
& Cotton Suits Etc.

#23-6-178/1, Masjid Faqurunissa Begum,
Mir Momin Daira, Hari Bowli, Hyderabad.
✆9032675243, 8919620790, 9392533661

Issue42 شمارہ_Vol4 جلد:

اگست: Aug 2021

ماہنامہ حیدرآباد

صدائے شبلی

مدیر: ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی

نائب مدیران: ڈاکٹر سراج احمد انصاری ☆ ڈاکٹر عبد القدوس ☆ ابو ہریرہ یوسفی

مجلس مشاورت:

پروفیسر اشتیاق احمد ظلی، پروفیسر مظفر علی شہہ میری
پروفیسر محسن عثمانی ندوی، پروفیسر ابوالکلام
پروفیسر شاہد نوخیز اعظمی، ڈاکٹر محمد الیاس اعظمی، مفتی محمد فاروق قاسمی
مولانا ارشاد الحق مدنی، مولانا محمد مساعد ہلال احیائی
اعجاز علی قریشی ایڈوکیٹ، محمد سلمان انجینئر

مجلس ادارت:

ڈاکٹر محمد رفیق، ڈاکٹر حمران احمد، ڈاکٹر جاوید کمال، ڈاکٹر ناظم علی، ڈاکٹر مختار احمد فردین، ڈاکٹر غوثیہ بانو، ڈاکٹر سید امام حبیب قادری، ڈاکٹر سمیہ تمکین، ڈاکٹر فاروق احمد بھٹ، ڈاکٹر مصطفیٰ خان، مولانا عبد الوحید ندوی، مولانا احمد نور عینی، ڈاکٹر مصلح الدین نظامی، ابو ہریرہ ایوبی، محسن خان

SADA E SHIBLI
A/c: 1327102000023922
Ifsc: IBKL0001327
IDBI Bank: CHARMINAR HYD, T.S

قیمت فی شمارہ: 20 سالانہ: 220
رجسٹرڈ ڈاک: 350- بیرونی ممالک: 50/امریکی ڈالر
خصوصی تعاون: 2000

ماہنامہ "صدائے شبلی" حیدرآباد میں مقالہ نگاران سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

ہر طرح کی قانونی چارہ جوئی صرف حیدرآباد کی عدالت میں ہوگی

محمد محامد ہلال (اونر، پبلشر، پرنٹر، ایڈیٹر) نے دائرہ الیکٹرک پریس میں چھپوا کر حیدرآباد تلنگانہ سے شائع کیا

خط و کتابت کا پتہ

Email: sadaeshibli@gmail.com

Mob: 9392533661 - 8317692718

MOHD MUHAMID HILAL #17-6-352, B1, 2nd Floor,Bafana Complex,
Near Asfya Masjid Dabirpura Road, Purani Haveli,Hyderabad- 500023. T.S

فہرست مضامین

۱	اپنی بات	ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی	۵
۲	اخلاقِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم	علامہ شبلی نعمانیؒ	۶
۳	دیباچوں میں ذکر شبلی کا مطالعہ	ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی	۷
۴	نجات کا اٹل قانون	مولانا حبیب الرحمٰن	۱۱
۵	امام حسینؓ انقلاب کا ایک عالمی مدرسہ	ڈاکٹر ولاء جمال العسیلی	۱۳
۶	کے ایم عارف ہمدردِ ملت ودانشور	ڈاکٹر محمد ناظم علی	۱۵
۷	نہ سمجھو گے تو.....	خیر النساء علیم	۱۶
۸	نعت رسولؐ	مولانا ولی رازی	۱۸
۹	جنگ آزادی 1857 کا ایک عظیم مجاہد رجب علی	عبد العلیم	۱۹
۱۰	نعت پاکؐ	یوسف روش	۲۲
۱۱	جشن باوقار	احمد علی برقی اعظمی	۲۲
۱۲	ظلم کا سہنا ظالم کی پشت پناہی ہے	ڈاکٹر آصف لئیق ندوی	۲۳
۱۳	احساسِ زیاں	ام کوثر اقبال فاطمہ	۲۷
۱۴	ہندوستانی تہذیب کا تعارف: تاریخ کے آئینے میں	بلال احمد بھٹ	۲۹
۱۵	پندرہ اگست (نظم)	حضرت عبد الرحمٰن جامیؒ	۳۴
۱۶	اردو افسانوں اور ناولوں میں کشمیری مسائل کی عکاسی	محمد یونس آہنگر/فردوس احمد نجار	۳۵
۱۷	''یہ نہ تھی ہماری قسمت'' مطالعہ کی روشنی میں	مبصر: مولانا انصار احمد معروفی	۴۰

ماہنامہ ''صدائے شبلی'' کے خصوصی معاونین

جناب **ابو سفیان** اعظمی، مقیم حال ممبئی... جناب **محمد یوسف** بن الحاج محمد منیر الدین عرف ولی مرحوم، حیدرآباد
مفتی **محمد فاروق قاسمی** ۔صدر علماء کونسل وجے واڑہ، آندھرا پردیش
ڈاکٹر سید **جلیل حسین** ایم ڈی (علیگ) ٹولی چوکی حیدرآباد... مولانا **منصور احمد قاسمی**، معین آباد، تلنگانہ
الحاج **رئیس احمد اقبال**، انجینئر صدر سہارا ویلفیئر سوسائٹی، حیدرآباد الحاج **محمد زکریا** انجینئر (داماد استاذ الاساتذہ حضرت عبد الرحمٰن جامیؒ) مقیم حال دبئی... ڈاکٹر **شہباز احمد**، پروفیسر گورنمنٹ نظامیہ طبی کالج چارمینار، حیدرآباد
مولانا **محمد عبد القادر سعود** نائس جوس سینٹر سکندرآباد، حیدرآباد... الحاج **محمد قمر الدین**، نبیل کالونی بارکس حیدرآباد... الحاج **محمد عبد الکریم** ۔صدر مسجد اشرف کریم کشن باغ، حیدرآباد

اپنی بات

ماہِ اگست جیسے ہی آتا ہے ہر ہندوستانی کے ذہن ودماغ میں یومِ آزادی پندرہ اگست کی یاد تازہ ہوجاتی ہے۔ کیونکہ پندرہ اگست ۱۹۴۷ء کو ہمارا ہندوستان انگریزوں کے چنگل سے آزاد ہوا تھا۔ بزبان شاعر سراج لکھنوی کے ؎

پہاڑ کٹ گیا نور سحر سے رات ملی ☆ خدا کا شکر غلامی سے تو نجات ملی

پندرہ اگست ہمارا قومی تہوار ہے، جس کے پس منظر میں دردناک داستان چھپی ہوئی ہے۔ کیونکہ درخت لگانے والا اپنی نسلوں کو پھل کھلانے کے لیے لگاتا ہے اور اس کے لیے وہ ہر حالات سے نبرد آزما ہوتا ہے، اسی طرح آزادی کی تحریکوں میں ہوا۔ تمام مذاہب اور تمام علاقوں کے لوگوں نے آزادی کی تحریک میں حصہ لیا اور انتھک کوششوں سے اس ملک کو آزاد کرایا۔ آج ہم آٹھویں دہائی میں داخل ہونے کے بعد بھی پوری طرح سے مطمئن نہیں ہیں۔ آئے دن فرقہ پرستی کا منھ ملک کے مختلف علاقوں میں کھلا ہوا دکھائی دیتا ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ اس ملک کے ہر باشندے کو آزادی کا پورا پورا حق حاصل ہونا چاہئے۔ بالخصوص اردو زبان وادب کے ساتھ، کیونکہ اسی زبان کے نعروں، نظموں اور اس کی صحافت سے آزادی کے دشوار مرحلے آسان ہوئے۔ بہرحال ادارہ تمام ہندوستانیوں کو یوم آزادی کی مبارکباد پیش کرتا ہے۔

ماہِ اگست ۲۰۲۱ء ہی میں ہجری سن کا پہلا مہینہ محرم الحرام ۱۴۴۳ھ بھی رواں دواں ہے۔ ماہِ محرم کی ۱۰ر تاریخ کو یوم عاشورہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، یوم عاشورہ اس عالم کا اول وآخر ہے اور اس دنیا کے تمام بڑے انقلابات اسی دن رونما ہوئے، جیسا کہ امام غزالیؒ کی کتاب ''مکاشفۃ القلوب'' سے پتہ چلتا ہے اور اسی دن واقعہ کربلا پیش آیا تھا۔ چودہ صدی گزرنے کے بعد آج بھی ۱۰ر محرم الحرام کو پوری دنیا حضرت حسینؓ کی شہادت کو یاد کرتی ہے۔ بقول محمد علی جوہر کے ؎

قتل حسینؓ اصل میں مرگِ یزید ہے ☆ اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

جوہر کانپوری کے ؎

کہہ رہا ہے کربلا کا ذرّہ ذرّہ آج بھی ☆ سر کٹا سجدے میں تو دستار اونچی ہوگئی

اور اقبال سہیل کے ؎

روئیں وہ لوگ جو منکر ہیں حیاتِ شہداء کے ☆ ہم زندۂ جاوید کا ماتم نہیں کرتے

۱۵ر اگست ۲۰۲۱ء میں جہاں ہمارا ملک جشنِ آزادی منا رہا تھا، وہیں طالبان عام معافی اعلان کے ساتھ کابل افغانستان میں داخل ہو رہے تھے۔ دنیا نے فتح مکہ جیسا نظارہ ٹیلی ویژن کی اسکرین پر دیکھا۔ اللہ رب العزت خیر کا معاملہ فرمائے اور دنیا میں عدل اور امن وعافیت کا ذریعہ بنائے۔ آمین

یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتحِ عالم ☆ جہادِ زندگانی میں یہی مَردوں کی شمشیریں

محمد محامد ہلال اعظمی

اخلاقِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

علامہ شبلی نعمانیؒ

تواضع اور خاکساری کی راہ سے اکثر معمولی کپڑے استعمال فرماتے تھے، حضرت عمرؓ کو خیال تھا کہ جمعہ وعیدین میں یا سُفرا کے ورود کے موقع پر آپؐ شان و تجمل کے کپڑے زیب تن فرمائیں، اتفاق سے ایک بار راستہ میں ایک ریشمی کپڑا (حلہ سیرا) بک رہا تھا، حضرت عمرؓ نے موقع پا کر عرض کیا، یا رسول اللہؐ یہ کپڑا حضور خرید لیں اور جمعہ میں اور سُفرا کی آمد کے موقع پر ملبوس فرمائیں، ارشاد فرمایا ''یہ وہ پہنے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔''

اکثر موٹے جھوٹے اور بھیڑ کے بال کے بنے ہوئے کپڑے پہنتے تھے اور ان ہی میں وفات پائی۔

بستر کمل کا تھا، کبھی چمڑے کا جس میں کھجور کی خال بھری ہوتی تھی، کبھی معمولی کپڑے کا جو دوتہ کر دیا جاتا تھا، حضرت حفصہؓ بیان کرتی ہیں کہ ایک شب کو میں نے بستر مبارک کو چار تہ کر کے بچھا دیا کہ ذرا نرم ہو جائے، صبح اٹھ کر آنحضرت ﷺ نے ناگواری ظاہر فرمائی۔

۹ ہجری میں جب کہ یمن سے شام تک صرف اسلامی حکومت تھی، فرماں روائے اسلام کے گھر میں صرف ایک کھری چارپائی اور چمڑے کا سوکھا ہوا مشکیزہ تھا حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ جب آپ ﷺ نے وفات پائی تو تھوڑے جو کے سوا گھر میں کھانے کو کچھ نہ تھا صحابہؓ سے فرمایا کرتے تھے کہ ''دنیا میں انسان کو اتنا کافی ہے جتنا ایک مسافر کو زادِ راہ کے لیے''، ایک دفعہ ایک بوریے پر آرام فرما رہے تھے، اٹھے تو لوگوں نے دیکھا کہ پہلوئے مبارک پر نشان پڑ گئے ہیں، عرض کی یا رسول اللہ! کیا ہم لوگ کوئی گدا بنوا کر حاضر کریں، ارشاد ہوا کہ مجھ کو دنیا سے کیا غرض؟ مجھ کو دنیا سے اس قدر تعلق ہے جس قدر اس سوار کو جو تھوڑی دیر کے لیے راہ میں کسی درخت کے سایہ میں بیٹھ جاتا ہے، پھر اس کو چھوڑ کر آگے بڑھ جاتا ہے۔

ایلا کے زمانہ میں حضرت عمرؓ جب مشربہ میں جو اسباب کی کوٹھری تھی حاضر ہوئے تو ان کو نظر آیا کہ سرورِ عالم ﷺ کے بیت اقدس میں دنیاوی ساز وسامان کی کیا کیفیت ہے؟ جسم مبارک پر صرف ایک تہبند ہے، ایک کھری چارپائی بچھی ہے، سرہانے ایک تکیہ پڑا ہے، جس میں خرمے کی چھال بھری ہے، ایک طرف مٹھی بھر جو رکھے ہیں، ایک کونے میں پائے مبارک کے پاس کسی جانور کی کھال پڑی ہے، کچھ مشکیزہ کی کھالیں سر کے پاس کھونٹی میں لٹک رہی ہیں، یہ دیکھ کر حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، آنحضرت ﷺ نے رونے کا سبب دریافت فرمایا، عرض کی یا رسول اللہ! میں کیوں نہ روؤں، چارپائی کے بان سے جسم اقدس میں بدھیاں پڑ گئی ہیں، یہ آپ ﷺ کے اسباب کی کوٹھری ہے اس میں جو سامان ہے وہ نظر آ رہا ہے، قیصر و کسریٰ تو باغ و بہار کے مزے لوٹیں اور آپ خدا کے پیغمبر اور برگزیدہ ہو کر آپ کے سامان خانہ کی یہ کیفیت ہو، ارشاد ہوا کہ ''اے ابن خطاب! تم کو یہ پسند نہیں کہ وہ دنیا لیں اور ہم آخرت۔''!

(سیرۃ النبیؐ، جلد: دوم، ص: ۲۶۱/۲۶۲)

قسط:۳۹)

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی۔ 9838573645

دیباچوں میں ذکر شبلی کا مطالعہ

ڈاکٹر نگار سجاد ظہیر

شعبہ تاریخ اسلام کراچی یونیورسٹی کراچی کی سابق سربراہ ڈاکٹر نگار سجاد ظہیر (پ:۲۰؍دسمبر ۱۹۵۴ء) نامور اہل قلم اور ممتاز مصنفہ ہیں، ان کے قلم سے کئی اہم کتابیں شائع ہوچکی ہیں۔ تاریخ اسلام کا ان کا مطالعہ وسیع اور گہرا ہے۔ ان کے تحقیقی مقالات معارف اور ہندو پاک کے موقر رسائل کی زینت بن چکے ہیں۔ وہ خود بھی ایک تحقیقی مجلّہ الایام کی مدیرہ ہیں۔ یہی نہیں ان کا اشاعتی ادارہ قرطاس مصادر کتب کی اشاعت کے لئے نیک نام ہے، اس طرح انھوں نے اسلام اور اسلامی علوم وفنون کی بڑی خدمت انجام دی ہے۔ ایک اور وصف فطرت نے انھیں ودیعت کیا ہے، وہ ہے ان کا اسلوب تحریر، متانت، شائستگی اور سنجیدگی نے ان کی تحریروں میں بڑا وزن اور وقار پیدا کردیا ہے۔

۲۰۱۴ء میں شبلی صدی کے موقع پر انھوں نے بھی علامہ شبلی کو اس طرح نذرانہ عقیدت پیش کیا کہ اپنے ادارہ سے تین اہم کتابیں شائع کیں، شاید پاکستان کا یہ واحد ادارہ ہے جس نے بیک وقت علامہ شبلی پر تین کتابیں شائع کیں۔ ان کے نام یہ ہیں:

۱۔ علامہ شبلی نعمانی صدی کے آئینے میں۔ ڈاکٹر مہ جبیں زیدی

۲۔ معارف شبلی۔ ڈاکٹر محمد سہیل شفیق

۳۔ مطالعہ شبلی۔ پروفیسر ابوسفیان اصلاحی

ڈاکٹر نگار نے ان پر اور ڈاکٹر خالد ندیم کی کتاب ''شبلی شکنی کی روایت اور دوسرے مضامین'' پر جو مختصر دیباچے لکھے ہیں، ان سے ان کی شبلی شناسی کا اندازہ ہوتا ہے۔ وہ علامہ شبلی کے بارے میں لکھتی ہیں:

''اس میں کوئی شک نہیں کہ علامہ شبلی نعمانی (۱۸۵۷۔۱۹۱۴ء) ہندوستان ہی کے نہیں بلکہ جدید عالم اسلام کی ان شخصیات میں شمار کئے جاتے ہیں جنھوں نے علمی دنیا کو متاثر کیا اور مشرق ومغرب میں ان کی عبقریت کا اعتراف کیا گیا''۔

(علامہ شبلی نعمانی صدی کے آئینے میں ص۹)

علامہ شبلی کی شخصیت کثیر الجہات تھی، ان کے ابعاد وجہات کی وضاحت کرتے ہوئے ڈاکٹر نگار سجاد ظہیر نے لکھا ہے کہ:

''شبلی کی پہچان کے کئی حوالے ہیں۔ عالم، متکلم، مورخ، ادیب، شاعر، مصنف اور مصنف گر، بلکہ اپنی ذات میں ایک ادارہ ایک انجمن۔ شبلی کی تحریروں کے اثرات صرف ادب پر ہی نہیں پڑے بلکہ اس عہد کی فکر اور ذہنی زندگی پر بھی پڑے۔ ایک نہیں کئی نسلوں کی ذہنی تشکیل میں شبلی کا حصہ ہے۔ شبلی کی شہرت سب سے زیادہ ایک

مورخ اسلام کی حیثیت سے ہے۔ انھوں نے صرف اسلامی تاریخ بیان کرنے سے ہی غرض نہیں رکھی بلکہ مستشرقین اور بعض متعصب مورخین کے ان اعتراضات کا مدلل اور محققانہ جواب بھی دیا ہے جو انھوں نے اسلامی تاریخ اور تہذیب وثقافت لگائے''۔ (شبلی شکنی کی روایت ص ۸)

شبلی صدی کے موقع پر ہندو پاک میں متعدد سمینار ہوئے، رسائل کے خصوصی شمارے اور گوشے شائع ہوئے۔ کتابیں شائع ہوئیں اور مقالات کے مجموعے بھی شائع ہوئے۔ ڈاکٹر نگاران کے خلاف نہیں تاہم ان کا نقطہ نظر یہ ہے کہ

''ہمیں سوچنا ہوگا کہ شبلی صدی کا تقاضا کیا ہے؟ کیا ہم علامہ شبلی کے کاموں کو دہراتے رہنے سے اپنے فرائض سے سبکدوش ہوسکتے ہیں یا ان کے کام کو نئی جہتوں سے آگے بڑھایا جاسکتا ہے؟ شاید اس بات کی ضرورت ہے کہ ایک طرف تو شبلی نعمانی کی تصانیف کو تحقیق وتدوین کے جدید اصولوں کے مطابق از سر نو مدون کرکے شائع کیا جائے اور دوسری طرف خصوصاً تاریخ کے حوالے سے ان کی محققانہ کاوشوں کا سلسلہ آگے بڑھایا جائے۔

شبلی نعمانی کے یہاں تحقیق وتنقید کا ایک معیار تھا۔ علمی بے خوفی اور بے تعصبی کے نتیجے میں پیدا ہونے والی معروضیت تھی، شبلی شناسوں کو اس طرف توجہ کرنی ہوگی کہ عہد حاضر میں شبلی کی معنویت کو اجاگر کرنے کی ضرورت ہے اور شاید یہی شبلی صدی کا تقاضا بھی ہے''۔ (علامہ شبلی صدی کے آئینے میں ص ۱۰)

دوسری جگہ لکھتی ہیں:

''شاید یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ کسی کی برسی پر یا برسی کی صدی پر اس کی قبر پر پھول چڑھا دینے اور عرق گلاب انڈیل دینے سے تعلق کے تقاضے پورے نہیں ہوتے۔ شبلی صدی کا تقاضا ہے کہ ایک 'شبلی عصر' پیدا کیا جائے اور اس کا پہلا درجہ یہ ہے کہ شبلی کو فراموش نہ ہونے دیا جائے۔ (شبلی شکنی کی روایت ص ۹)

افسوس ان صائب مشوروں کی طرف علی العموم توجہ نہیں دی گئی، البتہ علامہ کی آخری یادگار دارالمصنّفین اعظم گڑھ نے بڑے پیمانہ پر شبلی صدی تقریبات منعقد کیں، چار روز بین الاقوامی سمینار کا انعقاد کیا، دنیا بھر کے اہل قلم کو مقالات پیش کرنے کی دعوت دی، چنانچہ اس میں مختلف ممالک کے اہل قلم نے شرکت کی اور مقالات پیش کئے، اس سمینار کی ایک بڑی خوبی یہ بھی تھی کہ بیک وقت اس کے تین تین اجلاس منعقد ہورہے تھے، اس سمینار کے موقع پر علامہ شبلی کی کئی کتابوں کے محقق ایڈیشن دارالمصنفین سے شائع ہوئے اور اس کا بیس سے زائد نئی کتابوں کی اشاعت کا منصوبہ تھا جس میں بڑی حد تک کامیابی ملی، راقم نے اسی موقع پر شذرات شبلی مرتب کئے تھے، اسے بھی دارالمصنّفین نے شائع کیا، اس موقع پر ماہنامہ الندوہ جس کے علامہ شبلی ۱۹۰۴ء سے ۱۹۱۲ء تک مدیر رہے مکمل شائع کرنے کا منصوبہ تھا جو بعد میں پورا ہوا۔ اور اس سلسلہ کی بقیہ کتابیں بھی شائع ہوچکی ہیں۔ البتہ علامہ کی کتابوں کے محقق ایڈیشن کی اب بھی شبلی صدی کے بعد بھی ضرورت باقی ہے۔ بہرحال اس

موقع پر دار المصنفین اور اس کے فاضل ڈائرکٹر پروفیسر اشتیاق احمد ظلی نے جو کچھ کر دکھایا اسے ایک بڑے کارنامے سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔

پروفیسر سید محمد ہاشم

پروفیسر سید محمد ہاشم (پ: ۶ رمئی ۱۹۵۷ء) شعبہ اردو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے چیرمین ہیں۔ اسی شعبے سے انھوں نے مولانا سید سلیمان ندوی کی ادبی خدمات پر مقالہ لکھ کر پی ایچ ڈی کی سند لی ہے، سرسید اور سید سلیمان ندوی اور علی گڑھ تینوں سے شبلی کا بڑا گہرا تعلق ہے۔ شبلی صدی کے موقع پر مسلم یونیورسٹی کے شعبہ اردو نے شبلی کی شخصیت اور عصری معنویت کے موضوع پر ایک سمینار منعقد کیا اور پھر اس کے مقالات کا مجموعہ اسی عنوان سے شائع کیا، اس کے حرف آغاز میں پروفیسر سید محمد ہاشم نے لکھا ہے کہ

> ''علامہ شبلی جدید ادب کے بنیاد گذاروں میں سے ہیں، جنھوں نے مختلف جہتوں سے فکر جدید کے علمی وادبی اسلوب کو متاثر کیا اور تاریخ وتحقیق، تنقید وشاعری، سوانح وصحافت، تعلیم وخطابت، سفرنامے اور علم کلام وغیرہ میدانوں میں اپنا غیر معمولی اور دیرپا اثر چھوڑا ہے''۔
> (شبلی نعمانی، شخصیت اور عصری معنویت، ص ۷)

حالی، شبلی صدی کے موقع پر فکر ونظر علی گڑھ نے خصوصی شمارہ شائع کرنے کا اعلان کیا تھا، اس وقت پروفیسر سید ہاشم فکر ونظر کے ایڈیٹر تھے، چنانچہ مارچ ۲۰۱۵ء میں ایک مختصر سا خصوصی شمارہ شائع کیا جس میں حالی وشبلی دونوں پر مضامین شامل ہیں، لیکن شبلی کے مقابلہ میں حالی پر مضامین ادارہ کو کم موصول ہوئے، اسی طرح پورے ملک میں سمینار بھی نسبتاً شبلی پر زیادہ ہوئے۔ پروفیسر سید ہاشم نے اس ''کم وبیش'' کا جائزہ لیا ہے اور لکھا ہے کہ

> ''یہ احساس ذہن کو بار بار جھنجھوڑ رہا ہے کہ زیر نظر شمارے میں ہی نہیں بلکہ گذشتہ چار پانچ ماہ یعنی صدی تقریبات کے پورے عرصے میں جو سمینار منعقد ہوئے یا رسائل کے جو نمبر نکالے گئے ان سب میں علامہ شبلی کے مقابلہ میں مولانا حالی پر غور وفکر کا یہی تناسب برقرار رہا ہے جب کہ حالی کو شبلی سے بہت پہلے سرسید کا تقرب حاصل ہو چکا تھا اور شبلی کے علی گڑھ سے رخصت ہونے (۱۸۹۸ء) کے بعد بھی آخر عمر تک حالی علی گڑھ تحریک سے سرگرمی سے وابستہ اور کالج کے ٹرسٹی رہے۔ اس کے علاوہ ادبی اعتبار سے ہر صنف اور ہر میدان میں بھی وہ شبلی کے سینئر اور پیش رو تھے چنانچہ تہذیب الاخلاق میں مضامین لکھنے کا معاملہ ہو یا نظم جدید کے آغاز اور مسدس مدوجزر اسلام جیسی پہلی طویل جامع اور مربوط نظم لکھنے کا سہرا ہو، تنقید پر اعلی درجے کی کتاب لکھنے کی اولیت کا اعزاز ہو یا اردو میں سوانح نگاری اور عملی تنقید کی قافلہ سالاری کا کارنامہ، غرض اسی طرح کے تمام میدانوں میں حالی کو شبلی پر تقدم حاصل تھا''۔ (فکر ونظر مارچ ۲۰۱۵ء، ص ۶)

اس کے بعد ہاشم صاحب نے اس کے اسباب بتائے ہیں اور اسے علی گڑھ کے اہل علم ودانش کی سرد مہری اور شبلی کے سلسلے میں جذباتیت کے رجحان کو ذمہ دار قرار دیا ہے۔ ایک اور وجہ یہ لکھی ہے کہ شبلی نے ادارے قائم کئے اور

دار المصنفین جیسے سدا بہار ادارے کے قیام نے شبلی پر مطالعہ وتحقیق کا رجحان پیدا کیا، وغیرہ۔

حالی اور شبلی پر موازناتی مضامین بہت لکھے گئے، دونوں کے کاموں کا موازنہ بھی کیا گیا ہے، اس میں ادبی کارناموں کے علاوہ فکر ونظر کا بھی موازنہ کیا گیا ہے۔ شبلی حالی سے بیس سال چھوٹے تھے اس بات کا خیال بہت کم کیا گیا ہے، جس کی وجہ سے صحیح نتائج سامنے آنے میں دشواری ہوئی بلکہ بعض بڑے غلط نتائج اخذ کئے گئے، اس میں شبلی کے ساتھ بھی انصاف نہیں کیا گیا۔ یہی پس منظر ہے جس کی وجہ سے سید ہاشم صاحب کا تقابل بھی درست نہیں قرار دیا جاسکتا۔

حالی سرسید اور علی گڑھ تحریک سے وابستہ تھے لیکن شبلی علی گڑھ تحریک کے ساتھ کالج کے ایک استاذ تھے انھوں نے جو کچھ کیا وہ تدریسی مصروفیات کے بعد کیا، شبلی کی مثنوی صبح امید کسی درجہ کم اہمیت نہیں رکھتی، سرسید سے قربت میں شبلی حالی سے کسی درجہ کم نہیں روزمرہ کا ساتھ رہا اور وہ ان کے بہت سے کاموں میں شریک رہے، مقالہ مسلمانوں کی گذشتہ تعلیم سرسید کی فرمائش پر لکھا گیا، یہ علی گڑھ تحریک کا سب سے بیش قیمت تحفہ ہے۔ بے شبہہ حیات سعدی حالی کا بہت بڑا کارنامہ ہے لیکن المامون علی گڑھ کالج میں لکھی گئی، کالج کی طرف سے شائع ہوئی، یہی نہیں سیرۃ النعمان بھی اور سب کی آمدنی کالج کے لئے تھی۔ کالج میں امراء ورؤساء کی آمد پر شبلی کی نظمیں اور قصیدے تحریک علی گڑھ کی ترقی میں بے حد معاون ہوئے، شبلی جب تک علی گڑھ میں رہے حالی سے زیادہ متحرک رہے۔ سرسید کی وفات کے بعد جب وہ علی گڑھ سے مستعفی ہوئے اس وقت ان کی جو رائے تھی وہی حالی کی بھی تھی مگر دونوں کالج سے کبھی علاحدہ نہ ہوئے، صرف حالی نہیں شبلی بھی، ۱۹۰۱ء میں دینیات کمیٹی بنی تو شبلی بھی اس کے رکن تھے، ۱۹۰۳ء میں ایجوکیشنل کانفرنس نے مختلف شعبے قائم کئے تو انجمن ترقی اردو کے سکریٹری مولانا شبلی ہی مقرر ہوئے، کانفرنس کے اجلاسوں میں بھی وہ شریک ہوتے رہے، کالج آکر طلبہ سے خطاب بھی کرتے رہے۔ اور جب یونیورسٹی فاؤنڈیشن کمیٹی بنی تو اس کے ایک رکن علامہ شبلی بھی تھے۔ وفات سے چند ماہ پہلے بھی شبلی کالج آئے اور طلبہ سے اسٹریچی ہال میں خطاب کیا، یہ تو کالج سے شبلی کے تعلق کی داستان ہے جسے فراموش کردیا گیا۔

حالی وشبلی کا موازنہ میں درست نہیں سمجھتا لیکن شبلی کی مقبولیت کا راز حالی کی اولیات میں تلاش کرنا اس لئے درست نہیں کہ شبلی کی اولیات ان سے کم نہیں ہیں اور پھر انھوں نے جس طرح ندوہ کی خدمت کی، جس طرح دار المصنفین قائم کیا، طلبہ کی رہبری ورہنمائی کی جس کا آغاز علی گڑھ کالج میں ہوا تھا، اور جس طرح انھوں نے شعر وادب، تحقیق وتنقید کے ساتھ سروکار رکھا اور سب سے آخر میں سیرۃ النبیؐ جیسا عظیم الشان کارنامہ انجام دیا، وہ سب حالی کے حصہ میں نہیں آیا اور سب سے آخر میں انھوں نے قوم پرستی کے جو جذبات برانگیختہ کئے اور جس نے سید سلیمان ندوی، ابوالکلام آزاد، محمد علی جوہر اور ظفر علی خاں جیسے اہل نظر کو متاثر کیا اس کی مثالیں حالی کی زندگی میں کہاں سے آئیں گی۔ لیکن بہر حال حالی کی عظمت کسی طرح کم نہیں اور اردو ادب کی تاریخ ان کے مقدمہ شعر وشاعری کو کبھی فراموش کرسکتی ہے۔ ہاں سرسید کی محض قربت کسی کو عظمت نہیں دلا سکتی اس کا تعلق خون جگر جلانے سے، حالی سے بیس سال چھوٹے شبلی نے دنیا انھیں کے ساتھ چھوڑی گویا جو کام حالی نے ۷۷ر سال کی عمر میں کیا اس سے زیادہ شبلی نے ۵۷ر سال کی عمر میں کیا، یہی وجہ ہے کہ شبلی ہماری نئی نسل کی آرزو ہیں۔

مولانا حبیب الرحمن۔حیدرآباد

نجات کا اٹل قانون

اللہ نے ہر ایک کی دعا قبول کرنے کی گیارنٹی دی ہے۔وَإِذَا سَأَلَکَ عِبَادِی عَنِّی فَإِنِّی قَرِیبٌ أُجِیبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ (البقرہ۱۸۶)''اور جب آپؐ سے میرے بندے میرے متعلق دریافت کریں (تو آپ ان سے کہہ دو) تو میں (ان کے) قریب ہی ہوں جب کوئی پکارنے والا مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں''اور ثبوت میں شیطان کی دعا قبول کئے جانے کا واقعہ بھی بیان ہوا ہے۔قَالَ إِنَّکَ مِنَ الْمُنظَرِینَ (الاعراف)''اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تجھ کو مہلت دی گئی'' (ص۸۰،الحجر۳۷)

اللہ کے رسولؐ نے بعینہٖ، بالبدل او رذخیرۂ آخرت کے طریقوں سے دعا قبول ہونے کی بشارت دی ہے۔اس لیے قبولیتِ دعا کو وقت، مقام، اشخاص، درود، واسطہ، وسیلہ، حرمت وطفیل پر منحصر سمجھنا اللہ ورسولؐ کی باتوں کو غلط وجھوٹ قرار دینا ہے۔

غلو

پچھلی امتیں اپنے پیر، پیغمبروں کے تعلق سے غلو کر کے گمراہ ہوئی ہیں۔اس لیے غلو سے بچنے کے لیے اللہ ورسولؐ نے رسولؐ کے لیے دعا کرنے کے الفاظ اور طریقے تک مقرر ومتعین فرمائے ہیں۔اس لیے''درود'' میں اپنی طرف سے کسی لفظ کا اضافہ کرنا اس کو نہ صرف ناکافی قرار دینا ہے بلکہ یہ قطعی غلو ہے جس سے تاکیداً منع کیا گیا ہے (النساء۱۷۱)

اللہ نے غلو سے بچانے کے لیے غَیْرَ الْحَقِّ (المائدہ۷۷) یعنی خلافِ حق بات کہنے سے منع فرمایا ہے اور اِلَّا الْحَقَّ (النساء۱۷۱) یعنی صرف حق بات کہنے کی تاکید کے ساتھ ساتھ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰہِ مَا لَاتَعْلَمُوْنَ (الاعراف)''اللہ کے متعلق ایسی بات کہنا جس کا تم کو علم نہیں'' حرام کر دیا ہے۔

حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ''قابلِ تعریف وبزرگ'' ذات کے سامنے مخلوق (پیغمبر) کو خَیْرِ خَلْقِہٖ کہنا وہ بھی دعا میں کیسے صحیح ودرست ہے، حالانکہ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ''جیسا کہ رحمت نازل کی تو نے ابراہیمؑ پر''اور کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ''جیسا کہ تو نے برکت نازل کی ابراہیمؑ پر'' کے الفاظ خَیْرِ خَلْقِہٖ کی صریحاً نفی وتردید کر دیتے ہیں۔پیغمبروں کو ایک دوسرے پر فضیلت دینا اللہ تعالیٰ کا اختیار ہے۔غور کیجئے نبی ﷺ کو سورہ الانعام کی آیت اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ ھَدَی اللّٰہُ فَبِھُدٰھُمُ اقْتَدِہْ (۹۰)''یہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت بخشی ہے تو تم بھی ان کی اس راہِ ہدایت کی اقتداء کرو''۱۸ پیغمبروں کے طریقے کی اور سورہ النحل میں ثُمَّ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰھِیْمَ حَنِیْفًا وَمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ پھر ہم نے آپؐ کے پاس وحی بھیجی کہ آپؐ ابراہیمؑ کے طریقے پر جو کہ بالکل ایک

طرف کے ہو رہے تھے چلئے اور وہ شرک کرنے والوں میں سے نہ تھے''

میں ملتِ ابراہیمؑ کی پیروی کرنے اور سورہ الاحناف ۳۵ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ ''آپؐ صبر کیجئے جیسے اور ہمت والے پیغمبروں نے صبر کیا تھا'' میں اولوالعزم رسولوں کی طرح صبر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے جن کے اسوہ کو اللہ تعالیٰ نے سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ (النساء ۱۱۵) ''ایمان والوں کا طریقہ'' قرار دیا ہے، وہ صرف بتائے ہوئے الفاظ وطریقے ہی سے رسولؐ کے لیے دعا کئے ہیں۔ دعا میں اللہ نے اخلاص وتضرع اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ وَادْعُوهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ (الاعراف ۲۹، مومن ۶۵) پس تم صرف اسی کو پکارو دین کو اس کے لیے خالص کرتے ہوئے'' اس لیے دعا میں واسطہ لینے اور خیر خلقہ کہنا دعا کو غارت کرنا ہے۔

انسانوں کے لیے انسان ہی کو رسول بنانا اٹل قانونِ الٰہی ہے (انعام ۹، بنی اسرائیل ۹۵) کیونکہ بغیر رسول کے ایک حکمِ الٰہی پر بھی عمل کرنا ممکن نہیں۔ اس لیے بعثتِ رسول کو احسان فرمایا:

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولاً مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ (آل عمران) ''اللہ نے ایمان والوں پر (بڑا) احسان کیا کہ ان میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کو اللہ کی آیتیں (پڑھ کر) سناتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے، بے شک یہ اس سے پہلے کھلی ہوئی گمراہی میں تھے''

نبی ﷺ کو وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُّنِيرًا (احزاب) ''اور اللہ کے حکم کے مطابق اللہ کی طرف بلانے والا اور ایک روشن چراغ'' فرما کر بتادیا کہ قرآن کے احکام پر عمل کرنے کا صحیح طریقہ رسولؐ کی سنت کی شکل میں ہے، کیونکہ بیرونی روشنی کی موجودگی ہی میں بینائی سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے ورنہ نہیں۔ اس لیے آپؐ کی سنت اہلِ ایمان کے لیے فضلِ کبیر فرمایا ہے، جیسا کہ ارشاد ہے وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ بِأَنَّ لَهُم مِّنَ اللَّهِ فَضْلًا كَبِيرًا (الاحزاب) ''اور اے نبیؐ ایمان والوں کو خوشخبری دیدیجئے کیونکہ ان کے لیے اللہ کی طرف سے (رسولؐ کی سنت) بہت بڑا افضل ہے'' فرمایا ہے۔

نبی ﷺ کا بشر ہونا اٹل قانونِ الٰہی ہے۔ چنانچہ آپؐ کے والدین محترم عبداللہ اور محترمہ آمنہ اور دائی حلیمہؓ ہیں۔ آپؐ کو بھوک، پیاس لگتی تھی، کئی بار بیمار وزخمی بھی ہوئے اور وفات پائے۔ صحابہ کرامؓ نے آپؐ کو دفن کیا سورہ الانبیاء میں ہے:

وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا لَّا يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوا خَالِدِينَ ''اور ہم نے پیغمبروں کے جسم ایسے نہیں بنائے کہ وہ کھانا نہ کھائیں اور نہ وہ ہمیشہ رہنے والے تھے''

ڈاکٹر ولاء جمال العسیلی۔ پروفیسر اردو ایسوسی ایٹ، عین شمس یونیورسٹی، قاہرہ۔ مصر

امام حسینؓ انقلاب کا ایک عالمی مدرسہ

حضرت امام حسین نے فرمایا: ''میں صرف اپنے دادا کی امت کی اصلاح کی غرض سے نکل رہا ہوں''۔

امام حسین پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ کے چھوٹے نواسے اور حضرت علی کے صاحبزادے ہیں۔ حضرت امام حسین کے ساتھ دیگر 72 افراد پر مشتمل اہل بیت کے ایک گروہ نے واقعہء کربلا میں جام شہادت نوش فرما کر دین کو یزیدیوں سے پاک کیا۔ اور حضرت امام حسین وعدے کے پکے تھے اور شریعت محمدی کے علمبردار دین کی تبلیغ اور اس کی بقا کی خاطر قربانی دینے کے لئے تیار تھے۔

معرکہء کربلا یا معرکہء الطف صرف عام اسلامی ہی کا المیہ نہیں بلکہ پورے عالم انسانیت کا المیہ ہے۔ جس میں تین دن اہلِ بیت پر پانی بند کرنے کا واقعہ انتہائی بھیانک اور ظالمانہ فعل تھا، تاریخ اس واقعے کی گواہ ہے۔ یزیدی لشکر کے ظالمانہ و جابرانہ باتوں کا جواب امام حسین نے بڑی معصومیت و دلیری سے دیا۔ اگر امام حسین چاہتے تو بہت کچھ کر سکتے تھے لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا، وہ اگرچہ سادگی پسند کرتے ہیں لیکن اپنے اصولوں اور دین کی بنیادی باتوں میں کوئی سودا یا سمجھوتہ کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔ وہ اپنے اہل وعیال کو قربان کر دینا پسند کرتے لیکن یزید کے ہاتھوں پر بیعت کرنا یا یزیدیوں کو حکمران تسلیم کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔

کربلا کے واقعات تاریخِ انسانیت کا وہ عظیم المیہ ہیں جن میں ایک طرف جور و جفا کی انتہا ہے تو دوسری طرف حسینیت کے روپ میں استقامت، عزم، قوتِ عمل، معیارِ قربانی، صبر و قناعت، استغنا و توکل، صفائے قلب، سخاوت، شجاعت، راست بازی اور ثباتِ قدم کی انتہا ہے۔

امام حسین سیاست اور اخلاق کے علمبردار تھے اور یہ دونوں معاملے اموی معاشرے میں پھیلے ہوئے کرپشن کے خلاف تھے۔ وہ ایک ایسے عظیم انسانی معاملے کے علمبردار تھے جو اخلاق کا ایک اعلیٰ نمونہ قائم کرتا ہے اور اس عہد میں ظلم و ستم سے انکار کر دیتا ہے۔ چنانچہ وہ میدان جنگ میں اکیلے کھڑے ہوئے اور ان کے ساتھ جو بے حسی اور بے وفائی کا ثبوت دیا، وہ ہمارے زمانے کے ان لوگوں کی طرح تھے جو حق و بھلائی کی حمایت سے پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔

حضرت حسین پر آنے والی آفت و مصیبت، جابر حکمرانوں کا دباؤ، ناانصافی، ظلم و جور، جبر و استبداد، حق و صداقت کی حمایت اور حق گوئی، یہ سب ایسے اقدار ہیں جو کسی بھی معاشرے کو متاثر کرتے ہیں۔ حق تلاش کرنے والے افراد آج بھی حضرت حسین کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوششیں کر رہے ہیں۔ انہوں نے حسین سے دلچسپی ظاہر کی ہے اس لیے کہ وہ اکثر و بیشتر دھوکہ، استبداد، ظلم و ستم، اجنبیت کا شکار رہتے ہیں۔ وہ ان مسائل کے حل کے لیے ایک ایسی بہتر دنیا کی امید رکھتے ہیں جو صرف ورثے میں ملتی ہے۔ وہ ماضی کا رخ کرتے ہیں تاکہ وہ آج کے معاشرہ کی آزمائشوں کا مقابلہ کرنے کے لئے کوئی مناسب

حل تلاش کرنے میں مدد دے _ وہ ماضی کے نمونوں اور آزمائشوں سے سبق لیتے ہیں _ امام حسین ان کو ظالم حکمرانوں کے سامنے مزاحمت کرنے اور ثابت قدم رہنے کا سبق دیتے ہیں _ لوگ امام حسین کے انقلاب اور کربلا سے عبرت اور نصیحت حاصل کرتے ہیں _ مہاتما گاندھی کہتے ہیں: ''میں حسین سے سیکھا کہ مظلوم ہوکر فتح کیسے حاصل کی جاتی ہے _ مجھے یقین ہے کہ اسلام کا فروغ اس کے ماننے والوں کی تلواروں کے سبب نہیں بلکہ حسین کی عظیم قربانی کے سبب ہوا'' _ اس بات سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام حسین انقلاب کا ایک عالمی مدرسہ ہے _

آج پوری دنیا میں مسلمان سخت مشکلات کا سامنا کررہے ہیں _ عالم کا موجودہ عہد دراصل انتشار اور بدامنی کا عہد ہے _ ہر طرف تباہی اور بربادی کا دور دورہ ہے _ سیاسی اور سماجی صورتحال بڑی تباہ کن ہے _ بے شمار ممالک کو بہت سی پریشانیوں اور مشکلات کا سامنا ہے _ جن میں انقلابات بپا ہیں _ ان کا نتیجہ یہ ہے کہ سیاسی اور سماجی ماحول میں گراوٹ آئی ہے اور صورتحال بد سے بدتر ہوگئی ہے _ آج کے حکمران نظام اسی طرح ہیں جس طرح واقعہء کربلا کے زمانے میں تھے _ صرف ان کے ناموں میں فرق ہے اور عدل وانصاف اور حق وصداقت کے فقدان میں دونوں یکساں ہیں _

حق اور باطل کے درمیان کشمکش ابتداءِ نسل انسانی سے جاری ہے اور ہوسکتا ہے کہ انتہاءِ نسل انسانی تک جاری ہے _ معرکہء حق وباطل میں امام حسین نے یزید کے سامنے سر نہیں جھکایا اور شہادت کو ترجیح دی _ جس میں بھی حسین کے صبر اور یزیدیت کے جبر کی انتہا نظر آتی ہے _ آج کے دور میں ہمیں واقعہء کربلا اور حسین کی شہادت سے سبق لینا چاہیئے اور اپنے اندر حق، عزت اور انصاف کی سربلندی کی خاطر جابر طاقتوں کے سامنے کلمہء حق کہنے کی ہمت پیدا کرنی چاہئے _

حضرت امام حسین کی شخصیت مزاحمت، شہادت اور دلیری کی علامت _ ہمیں حضرت امام حسین اور ان کے جانثاروں کی قربانیوں سے سبق سیکھ کر مظلوم افراد اور اقوام کو پامال کرنے کی ضد سے باز آنا چاہیئے _ واقعات کربلا کے پس منظر اور اس کے کرداروں میں موجود صفات یعنی شجاعت، دلیری، سرفروشی کے جذبہء حق، ایثار اور قربانی اور عورتوں کے صبر وتحمل سے نتیجے نکالیں اور اس عظیم قربانی کا مقصد واضح کرکے اسے عہد وماحول کے تناظر میں دیکھنے کی کوشش کریں _ حسین کو آئندہ اور موجودہ نسل کے لئے ایک نمونہ بننا چاہیئے، تاکہ وہ ان کے اندر بیداری کا جذبہ پیدا ہو اور اس مثالی کردار کی روشنی میں آج کے ظالمانہ نظامِ حکومت کے سامنے حق کی سربلندی کا فریضہ ادا کرسکیں _ ہم سب کو حسینی راستے پر چلنا چاہیئے تاکہ اللہ ہمیں راہ قربانی کا راستہ اختیار کرنے کی توفیق بخشے _

قلم کاروں سے

ماہنامہ ''صدائے شبلی'' حیدرآباد میں اشاعت کے لیے معیاری اور تصحیح شدہ مضامین، نظمیں اور دیگر تحریریں ان پیج فائل میں ارسال کریں۔ غیر معیاری، غیر اصلاح شدہ اور کمپوزنگ کی بے شمار غلطیوں والے مضامین، نظمیں ودیگر تحریریں ہم شائع کرنے سے معذور رہیں گے۔

(مدیر)

ڈاکٹر محمد ناظم علی۔ سابق پرنسپل گورنمنٹ ڈگری کالج موڑتاڑ نظام آباد

کے ایم عارف ہمدردِ ملت ودانشور

کے ایم عارف الدین تلنگانہ کی سرزمین میں پیدا ہوئے، حیدرآباد میں ابتدائی اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۶۹ء میں تلنگانہ کے احتجاج میں حرکیاتی رول ادا کیا، وہ چاہتے تھے کہ تلنگانہ کو آندھرا سے آزاد کرایا جائے۔ آندھرا والوں کا رویہ تلنگانہ والوں کے ساتھ ظالمانہ متعصبانہ ہوگیا تھا۔ آپ کی شخصیت میں ملت کا درد کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ آزادی کے بعد مسلمان تعلیمی معاشی لحاظ سے پسماندہ ہوگئے تھے۔ انہوں نے یہ محسوس کیا کہ مسلمانوں کی ترقی کے لیے تعلیمی ادارے قائم کئے جائیں۔ چنانچہ حیدرآباد میں ٹیکنیکل تعلیمی ادارے کھلنے کا سہرا کے ایم عارف کے سر جاتا ہے۔ انہوں نے ملت وقوم کو عصری تعلیم وٹکنالوجی سے مربوط وہم آہنگ کرنے کے لیے جدید وعصری تعلیمی اداروں کا قیام عمل میں لایا۔ انہوں نے مسلمانوں کا ایک تھینک ٹینک تیار کرنے کے لیے سول سروس اسٹڈی I.A.S اسٹڈیس سرکل قائم کیا۔ یہ ملت اسلامیہ کے مخلص وہمدرد انسان تھے۔ مسلمانوں کو ہمہ جہت انداز سے ترقی دینا چاہتے تھے، اس لیے انہوں نے تعلیمی شعبہ کے ذریعہ ملت کی خدمت کا بیڑہ اٹھایا، یہ غیر معمولی تعلیمی خدمات انجام دی ہیں۔ طلباء کی میرٹ کی ہمت افزائی کے لیے مدینہ گولڈ میڈل قائم کیا، سیول سروس میں مسلم اقلیت کی نمائندگی کا تناسب بڑھانے کے لیے اسٹڈی سرکل قائم کیا، آج بھی ملت کی تعلیمی پسماندگی دور کرنے کے لیے مدینہ ایجوکیشنل سوسائٹی۔ مدینہ گروپ آف اسکول کے ذریعہ تعلیمی اداروں کا جال پھیلا دیا۔ ۴۰ برسوں سے ملت اسلامیہ کے طلباء وطالبات کو تعلیم سے آراستہ کیا۔ ان کے تعلیمی ادارے مسلم ماحول میں تعلیمی انقلاب پیدا کرتے رہے، ملک بھر سے ماہر تعلیم، مدبر، دانش وروں کو مدعو کرکے تعلیمی بیداری کے لیے شعور پیدا کیا۔ سماجی، مذہبی، سیاسی، تعلیمی رہنماؤں، مدبروں کو مدعو کرکے ان سے خطابات کروائے، جس کا اثر ملت پر مثبت پڑتا رہا۔ موضوعات تعلیمی، عصری، تاریخی، جاریہ مسائل پر ہوئے تھے، جن دانشوروں کو مدعو کیا ان میں سید حامد، شہاب الدین، بیرسٹر سعید احمد خان، پروفیسر کمال اشرف، سبرا نیم سوامی، رام جیٹھ ملانی، فخر الدین علی احمد، کانشی رام، این ڈی تیواری، سابق D.I.G بھوپال، منشی شنکر ایئر، شیوشنکر، پروفیسر اختر الواسع وغیرہ کو مدعو کرکے جلسے منعقد کرتے تھے چنا ریڈی ایم ایم ہاشم کوندہ لکشمی بابو جی ریاستی قائدین سے ربط تھا تعلیم کے شعبہ میں قائدانہ کردار ادا کیا، اس لیے عوامی حلقوں وبین الاقوامی سطح پر معروف ومقبول تھے۔ مدینہ گروپ کے اداروں سے فارغ التحصیل بچے دنیا میں اعلیٰ خدمات انجام دے رہے ہیں، اوقافی جائدادوں کے تحفظ میں دانشوری کا ثبوت دیا۔ پیشہ سے وکیل تھے، فلاحی اداروں کی مالی اعانت کرتے رہے۔ ذرا غور کیجئے کالم کے ذریعہ سے ملت کے مسائل، عصری حالات سے مزین مشورے دیا کرتے تھے۔ جیل کی صعوبتیں برداشت کی اور راج مندری جیل میں رہے۔

ملت کے ہمدرد، مخلص، ملنسار فعال حرکیاتی شخصیت ظاہر ہوئے۔ ہمارا عوام کے ذریعہ بہ حیثیت صحافی ملت کی بے پایاں خدمات انجام دیں۔ ہمارا عوام اخبار کے ذریعہ زبان وادب کی خدمت انجام دی ہیں۔ قوم ارضِ دکن ماہر تعلیم، دوراندیش، جوشیلے، خاموش مزاج سے محروم ہوگئے ہیں، ان کی یاد کو تازہ کرنے کے لیے حکومت ان کے نام پر یادگار قائم کرے۔ سرسید گولڈ میڈل اور اسکالرشپ تلنگانہ یونین آف ورکنگ جرنلسٹ کے مشیر کے طور پر کام کیا، ہمہ جہت اوصاف والی شخصیت تھے۔ لہٰذا ان کے مشن کو جاری رکھنے کے لیے ورثا کے علاوہ دوست احباب آگے آئیں اور ان کے مشن کو جاری رکھیں۔

خیر النساء علیم۔حیدرآباد

''نہ سمجھو گے تو''......

آج ہمارے ملک کا ایک بڑا طبقہ مشکلات کے بوجھ تلے دبا ہوا ہے، لیکن ہمارے سماج کے کان پور جوں تک نہیں رینگتی۔ معاشرہ کی فلاح بہبود، غربت کے خاتمہ اور تعلیم کے بجائے ہماری توجہ صرف اپنے خاندان کے افراد کے اطراف ہی محدود ہوگئی ہے۔

شادی بیاہ کے معاملہ میں فرسودہ رسموں کی سختی سے مخالفت کرنے کی ضرورت ہے، جس کی پابجائی میں وقت اور پیسے کی بربادی سے ہم کیسے متاثر ہورہے ہیں۔ یہ سوچنے کی زحمت کوئی گوارہ نہیں کرتا۔ اخبارات میں مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں مگر اس پر کوئی ٹھنڈے دل سے غور نہیں کرتا۔ شادی کے پیامات کے ساتھ ہی منہ کھولے جہیز کے لیے انتہائی بے شرمی سے مطالبات کئے جاتے ہیں۔ ساتھ ہی جوڑے کے نام پر خطیر رقم کی ادائیگی پر مجبور کیا جاتا ہے۔

دراصل ہمارے معاشرہ میں دو طرح کے لوگ ہیں۔ ایک تو وہ طبقہ جن کے گھروں سے ایک یا زائد اصحاب ملازمتوں کے لیے عرب ممالک کو گئے ہوئے ہیں۔ ان کی بھیجی ہوئی دولت کے شاندار مظاہرے چھلے، چھٹی اور بسم اللہ، سالگرہ کی رسموں سے لے کر شادی کے آخری مرحلے یعنی پانچویں جمعگی تک نظر آتے ہیں۔ نگاہوں کو خیرہ کرنے والے ذرق برق ملبوسات، طلائی زیورات پر خطیر رقم وہ دل کھول کر خرچ کرتے ہیں۔

دوسرا طبقہ وہ ہے، جن کے افراد ملک میں ہی کسی دفتر، اسکول کالج میں ملازمت یا پھر مختلف قسم کے کاروبار کرتے ہیں۔ سرکاری ملازمین بھی محدود تنخواہوں پر کام کرتے ہیں۔ ظاہر ہے ان سب کی آمدنی محدود ہوتی ہے لیکن دیکھا دیکھی وہ بھی اس معیار کو مد نظر رکھنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ نہیں تو وہ سمجھتے ہیں کہ سماج میں نیچا دکھنا ہوگا اس احساس کمتری کو لے کر وہ لڑکی والوں سے ہی سب کچھ حاصل کرنا چاہتے ہیں جو خود کمائی سے ممکن نہیں۔ روبرو تو اکثر حضرات مطالبہ نہیں کرتے بلکہ بعد میں جہیز کی فہرست دیکھ کر لڑکی کی پسندیدگی کا اظہار کرتے ہیں۔ پھر جوڑے کی رقم اور معیاری شادی کا بھی مطالبہ رہتا ہے، بلکہ کئی جگہوں پر تو شادی کے بعد بھی مطالبات جاری رہتے ہیں۔

آج اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ بااثر اور مالدار خواتین انجمنیں بنائیں۔ مذہبی رہنما جہیز اور جوڑے کی لعنت پر عملی قدم اٹھائیں۔ فضول خرچی کرنے والوں سے بائیکاٹ کریں۔ ان کو تقریبوں سے پہلے منع کیا جائے۔ لڑکے اور لڑکی کے والدین سے باہمی ربط پیدا کیا جائے۔ جب ایک وسیع مشن کے تحت اقدام کیا جائے تو یقیناً کامیابی حاصل ہوگی۔ مہنگائی اپنے عروج پر ہے، کم ہونے کی امید نہیں کی جاسکتی، اگر ہم مہمانوں کی تعداد مقرر کر کے نکاح کے دن ہی ضیافت رکھیں اور اس ضیافت میں سادگی کو مد نظر رکھیں۔ جس سے زیر بار ہونے یا مقروض ہونے کی نوبت نہیں آئے گی۔ ہمیں سوچنا چاہئے کہ اب وہ دن گذر چکے جب فراغت نصیب تھی پیسے میں برکت تھی۔

اقلیت میں ہونے کی وجہ سے مسلمان تعلیم میں وہ سہولتیں حاصل نہیں کر پا رہے ہیں جس کے وہ مستحق ہیں۔ غربت نے کئی لائق طلباء کو اعلیٰ تعلیم سے محروم کر دیا ہے۔ مدارس میں طلبا تنگدستی کی وجہ سے اپنی تعلیم نہیں جاری رکھ سکتے اور ڈگری حاصل کرنے سے پہلے ہی ادھر ادھر معمولی نوکری کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ غذائیت کی کمی کی وجہ سے مہلک بیماریوں کے علاج کے لیے خاطر خواہ سہولتیں نہیں۔ دواؤں کی قیمتیں اتنی بڑھ گئی ہیں کہ ان کو خریدنا ہمت شکن ثابت ہو رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی خلیج میں معاش کا بہترین مواقع فراہم کیا جس کی بدولت کچھ حد تک مسلمانوں کے معاشی حالات سدھر گئے ہیں لیکن حالات کے سدھرنے کا مسلمانوں نے خاطر خواہ فائدہ نہیں اٹھایا بلکہ واہیات رسوم جس کو اسلام منع کرتا ہے اپنا لیا جو کہ فضول خرچی کے زمرے میں آتے ہیں۔ جیسے شادی بیاہ میں فضول خرچی، باجہ، پٹاخے، جمعگیاں، چھلے، چھٹی، سالگرہ ہیں، بسم اللہ رسم وغیرہ..... اگر غور کیا جائے تو ان فضول رسموں میں کئی غریب لڑکیوں کی شادیاں ہو سکتی ہیں۔ اس کے برعکس غیر قوم نے اس دولت کو اپنے مستقبل کو سدھارنے اور بچوں کی اعلیٰ تعلیم پر خرچ کیا، جس کی بدولت آج ان کا تعلیمی فیصد مسلمانوں سے کئی گناہ زیادہ ہے۔

میرا اپنا ذاتی مشاہدہ ہے کہ ایسے کئی گھرانے ہیں جہاں باہر سے پیسہ آتا ہے۔ وہ بے دریغ خرچ کرتے ہیں جن چیزوں کے بغیر بھی گھر چلتے تھے وہ باہر کا پیسہ آنے پر بے حد ضروری بن جاتی ہیں۔

کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو صرف پیسہ بچانے کی خاطر اپنی بیوی سے دور اکیلے رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو اپنا گھر خرچ، بچوں کی تعلیم اپنے وطن میں رہنے والوں کا خرچ اسی طرح کے ایسے کئی مسائل ان کے سامنے ہوتے ہیں۔ پھر ان کو اس کی بھی فکر کھائے جاتی ہے کہ اگر وہ وطن واپس لوٹیں تو کیا کریں گے، جبکہ ان کو ہر سال اپنے وطن چھٹی پر بھی آنا ہوتا ہے جس کے لیے انہیں تحفے تحائف خریدنے پڑتے ہیں، کیونکہ ہر کوئی ان سے اونچی اونچی امیدیں وابستہ رکھتا ہے۔ ان سب کی امیدیں پوری کرنے اور آنے جانے کے اخراجات میں وہ جو کچھ سال بھر بچائے رکھتے ہیں خرچ کر ڈالتے ہیں اور پھر ہاتھ خالی کئی مسائل کو لے کر واپس لوٹ جاتے ہیں۔ وہ ہر رات اس فکر کو لے کر سوتے ہیں کہ صبح ہونے تک ان کی نوکری برقرار رہتی ہے کہ نہیں۔ ان کے سامنے بچوں کی تعلیم، ان کا مستقبل، ان کی شادی بیاہ اور پھر واپس آئیں تو ان کا رہنے کا ٹھکانا، جیسی چیزیں ادھوری رہ جاتی ہیں۔ ان سب چیزوں کے پیش نظر ہم کو آئندہ کے لیے مناسب پلاننگ کرنی چاہئے۔

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ باہر رہنے والے لوگ پارٹیاں، سالگرہ اور شاپنگ کر کے عیش کی زندگی گزارتے ہیں۔ مگر میرا خیال ہے کہ ان کے پاس ایک ہی تو ذریعہ ہے جس سے وہ اپنے اور اپنے اہل خاندان کے لیے خوشیوں کا وسیلہ ڈھونڈ لیتے ہیں اور ان خوشیوں میں اصلیت ہوتی ہے، وہاں لوگ ایک دوسرے سے مل جل کر رہتے ہیں ایک دوسرے کی خوشیوں اور غم میں برابر کے شریک رہتے ہیں۔ ان میں کوئی مطلب اور غرض پوشیدہ نہیں ہوتی۔

میرا تو خیال ہے کہ لوگ یہاں پر ہی بے فکری کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ انہیں کل کی کوئی فکر نہیں ہوتی۔ انہیں

بغیر محنت کئے، فکر کئے مفت کی دولت حاصل ہوجاتی ہے، جسے وہ بے دریغ بغیر سوچے سمجھے خرچ کرتے ہیں۔ نوجوان طبقہ جنہیں ان کے کسی فرد خاندان کا پیسہ باہر سے آتا ہے۔ وہ پڑھ لکھ کر کچھ حاصل کرنے کے بجائے موٹر سائیکلوں پر عیش کرتے پھرتے ہیں۔ پھر کبھی تھوڑا بہت پڑھ کر ان باہر والوں کے اوپر ہی وبال جان بن جاتے ہیں کہ انہیں باہر کوئی اچھی نوکری پر بلالیں۔

یہ بالکل درست ہے کہ والدین کی محنت اور لگن کی بدولت ہی انسان کچھ بن پانے کے لائق ہوتا ہے۔ والدین کی محبت بے لوث ہوتی ہے۔ اس میں کوئی غرض پوشیدہ نہیں ہوتی۔ وہ تو صرف یہ سوچ کر اولاد کی پرورش کرتے ہیں اور تعلیم سے نوازتے ہیں کہ وہ اپنی آئندہ زندگی میں خوش وخرم رہیں۔

مسلمان گھرانوں سے میری گزارش ہے کہ وہ اپنی اولاد کو تعلیم دے کر ان پر احسان نہ کریں اور اس کا معاوضہ کسی مظلوم لڑکی کے والدین سے جہیز اور جوڑے کی رقم کی شکل میں وصول نہ کریں۔ میں سب سے گزارش کروں گی کہ وہ دین اور اسلام کی ڈوری کو مضبوطی سے تھام لیں۔ کسی بندے سے کوئی چیز کی امید نہ کریں۔ خداوند کریم سے مانگنے والوں کی کمی ہے۔ اگر سچے دل سے خشوع وخضوع سے مانگیں تو وہ عطا کرنے والا ہے۔ صرف مانگنے والے پر منحصر ہے۔ مانگنے والے کے دل میں کھوٹ نہ ہونی چاہئے۔ کسی بندے سے امیدیں وابستہ نہ رکھیں اپنے بل بوتے پر کمائیں کھائیں اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں۔ بے شک اس کی نوازش میں کوئی کمی نہیں۔ اللہ تعالیٰ عطا کرنے والا ہے۔ اللہ ہر مسلمان کو نیک توفیق دے۔ نیک ہدایت عطا فرمائے۔ آمین

مولانا ولی رازی صاحب کا ایک لاجواب شاہکار

نعتِ رسول علیہ وسلم صلی اللہ

یہ ایسی اردو نعت ہے جس میں ایک بھی نقطہ نہیں آتا

ہر دم درود سرور عالم کہا کروں
ہر لحہ محو روئے مکرم رہا کروں
اسم رسول ہوگا، مداوائے درد دل
صل علیٰ سے دل کے دکھوں کی دوا کروں
ہر سطر اس کی اسوہ ہادی کی ہو گواہ
اس طرح حال احمد مرسل کہا کروں
معمور اس کو کر کے معرا سطور سے
ہر کلمہ اس کا دل کے لہو سے لکھا کروں
گو مرحلہ گراں ہے، مگر ہو رہے گا طے
اسم رسول سے ہی در دل کو وا کروں
ہر دم رواں ہو دل سے درودوں کا سلسلہ
طے اس طرح سے راہ کا ہر مرحلہ کروں
دے دوں اگر رسول مکرم کا واسطہ!
دل کی ہر اک مراد ملے، گر دعا کروں
اس کے علاوہ سارے سہاروں سے ٹوٹ کر
اللہ کے کرم کے سہارے رہا کروں
ہو کر رہے گا سہل، ہر اک مرحلہ کڑا
اللہ کے کرم کا اگر آسرا کرو
اردو کو اک رسالہ الہام دوں ولی
لوگوں کو دور ہادی عالم عطا کروں

عبدالعلیم بن عبدالعظیم الاعظمی۔ اعظم گڑھ (یوپی)

جنگ آزادی 1857ء کا ایک عظیم مجاہد، شیخ رجب علی

اعظم گڑھ ایسی سرزمین ہے جس کا چپہ چپہ فیضان تجلی کا مظہر، ذرہ ذرہ نیر اعظم ہے، گیتی ارضی کے اس ٹکڑے کو زمانہ قدیم سے ہی عالمی اور ملکی سطح پر اپنی خدمات وانقلابات کی وجہ سے ایک نمایاں مقام حاصل رہا ہے، اس سرزمینِ جنت نشاں کے چھوٹے چھوٹے گاؤں، پرسکون، حسین بستیاں تاروں کی طرح جگمگاتی رہیں، ان سے کرنیں پھوٹتی رہیں، یہ کرنیں علم وفن کی تھیں، یہ کرنیں پیار ومحبت کی تھیں، یہ کرنیں ملنساری اور بھائی چارگی کی تھیں، کبھی اس سرزمین سے سمرقند و اصفہان کی علمی خوشبو محسوس ہوئی، اور کبھی یہاں کی دریاؤں اور ندیوں کے چہروں پر اندلس کی تہذیب وتمدن کا عکس دکھا اس خطۂ عزیز کی پررونق وپربہار زلف گرہ گیر کے اسیر ہوکر بابر و اکبر بھی ہفتوں یہاں کی فضاؤں سے توانائی حاصل کرتے رہے۔ یہ سرزمین جہاں سید سالار مسعود غازی کی معرکہ آرائیوں کی شاہد بنی، وہیں شبلی، فراہی، قاضی اطہر مبارک پوری، محدث کبیر مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی اور مولانا امین احسن اصلاحی وغیرہم کی علمی وفنی تابانیوں کا نظارہ کیا، تو وہیں اس نے جذبۂ جہاد وحریت سے لبریز بڑے بڑے مجاہدین کو جنم دیا، جو قوم وملت کی محبت میں شجاعت ویامردی کے ساتھ اپنی جان ومال اور عزت وآبرو وطن عزیز پر لٹا کر محمد بن قاسم اور طارق بن زیاد کی یادیں تازہ کر گئے اور اپنے خون سے اس چمن پر بہار کو لالہ زار بنا گئے، اعظم گڑھ کے انہیں مجاہدین میں سے شیخ رجب علی تھے، شیخ صاحب اعظم گڑھ کی ایک معروف بستی بمہور میں 1812ء میں ایک زمیندار گھرانے میں پیدا ہوئے، بمہور اعظم گڑھ شہر سے سات کیلومیٹر جانب پورب میں دریائے ٹونس کے کنارے آباد ہے، یہ بستی علم و فضل کے اعتبار سے مشہور ومعروف ہے، یہاں کی خاک سے بہت سی ایسی نابغہ روزگار شخصیات اٹھیں، جو نہ صرف ہندوستان، بلکہ ملک کے باہر بھی ان کے علوم وافکار کا ڈنکا بجا ہے، یہاں کہ مشہور شخصیات درج ذیل ہیں، مولانا امین احسن اصلاحیؒ، مولانا شبلی متکلم ندویؒ، مولانا داؤد اکبر اصلاحیؒ، مولانا نجم الدین احیائیؒ، مولانا مسلم قاسمیؒ، مولانا اشرف علیؒ، مولانا الیاس احمد اصلاحیؒ، مولانا عبدالحنان قاسمیؒ اور مولانا عبیداللہ قاسمیؒ وغیرہ۔

شیخ رجب علی کا بچپن بہت آزاد گذرا، کھیلنا، کودنا، شکار کرنا، اور دریا میں تیرنا ان کا پسندیدہ مشغلہ تھا، آپ کو کشتی لڑنے، تلوار چلانے اور بنوٹ میں مہارت تامہ حاصل تھی، شیخ صاحب ابتداء ہی سے انگریزوں کے ظلم وستم سنتے چلے آئے تھے، جس کی وجہ سے شروع ہی سے انگریزوں کے خلاف ان کے دل میں نفرت کی آگ لگی ہوئی تھی، 20 سال کی عمر میں شیخ صاحب کی شادی ہوئی تھی۔

شیخ رجب علی ہندوستان سے انگریزوں کو باہر نکالنے کے لئے اعظم گڑھ کے دوسرے مجاہدین کے ساتھ شانہ بشانہ کھڑے تھے، شیخ صاحب انگریزوں کے اعظم گڑھ سے نکالنے کے منصوبے میں شروع ہی سے شریک

تھے، آپ کے مشہور ساتھیوں میں جگ بندھن سنگھ، پرگن سنگھ، شیخ مبن (مبین) اور شیخ بیچی تھے آپ نے بھور، محبت پور اور مبارک پور اور آس پاس کے متعدد گاؤں کے سرداروں اور عوام کو متحد کر کے ایک فوج تیار کی تھی۔

جوان سے قبل جذبہ حریت سے لبریز مجاہدین نے اعظم گڑھ میں انگریزوں کے خلاف بغاوت کا ایک منصوبہ بنایا، شیخ رجب علی بھی منصوبہ بنانے والوں میں شریک تھے، 1857ء میں اعظم گڑھ میں بغاوت سے قبل مجاہدین نے متعدد مقامات پر میٹنگیں کی تھیں، ان میں شیخ صاحب بھی شریک ہوتے تھے، ایسی ہی ایک میٹنگ کا ذکر مجاہد آزادی ''پھول بدن سنگھ'' کرتے ہیں، وہ لکھتے ہیں کہ:

''ہولی کے بعد اعظم گڑھ کے مجاہدین نے مئی کے مہینے میں گوری شنکر گھاٹ پر ایک میٹنگ کی، جس میں بھور کے شیخ رجب علی، پرگن سنگھ اور مبارک پور اطراف کے متعدد لوگوں نے شرکت کی تھی، لیکن کسی نے انگریز کو اطلاع دے دی، انگریزی فوج مجاہدین کی تلاش میں وہاں پہنچی مگر ان کے ہاتھ کچھ نہ لگا۔''

جب پورے ہندوستان میں 1857ء کا معرکہ وجود میں آیا تو شیخ رجب علی اور ان کے ساتھیوں نے انگریزوں کے خلاف تلوار اٹھائی، اور سرکاری گوداموں اور فوجی کیمپوں پر حملہ کر دیا، لیکن بعد میں انگریزوں نے کچھ مجاہدین کو گرفتار کر لیا، گرفتار شدہ میں جگ بندھن سنگھ تھے جس سے شیخ صاحب کے بہت اچھے تعلقات تھے، ان کی بہن نے ٹھاکر صاحب کی رہائی کا مطالبہ کیا، اسی لئے شیخ صاحب نے بھور، محبت پور، کریم الدین پور، سکھٹی اور مبارک پور کے نوجوانوں کو لیکر کوتوالی پر حملہ کر دیا، البتہ بعض مورخین نے ان کی بیٹی کی درخواست کا ذکر کیا ہے، سید خورشید مصطفیٰ صاحب تاریخ جنگ آزادی 1857ء میں رقم طراز ہیں کہ:

''جب اعظم گڑھ کے ایک زمیندار ''جگ بندھن سنگھ'' کو انگریزوں نے گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا تو اس کی بیٹی نے مبارک پور کے قریب بھور کے زمیندار رجب علی سے مدد چاہی جس نے ایک فوج تیار کر کے انگریزوں کے خلاف ایک جنگ کا اعلان کر دیا''۔

اس کے برخلاف مشہور مورخ ڈاکٹر تاراچند نے اپنی کتاب ''اٹھارا سو ستاون'' میں لکھا ہے کہ:

''جگ بندھن سنگھ کو قتل کر دیا گیا تھا جس کے بعد ان کی بہن شیخ رجب علی کے پاس آئی تھی''۔

چنانچہ اس واقعے کے بعد رجب علی ایک فوج کے ساتھ ''گزیٹیر اعظم گڑھ'' کے مطابق جس کی تعداد چار ہزار تھی، اعظم گڑھ پہنچے، شیخ رجب علی اور ان کے ساتھیوں نے انگریز اقتدار کی سب سے بڑی علامت یعنی اعظم گڑھ کوتوالی کے مضبوط پھاٹک کو توڑ کر سارے قیدیوں کو رہا کر دیا، اور انگریز حکام کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا اور انگریزی فوج کو اعظم گڑھ سے نکال دیا، سید سلیمان ندوی صاحب حیات شبلی میں اسی واقعے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''علامہ شبلی نعمانی کی پیدائش 4 جون 1857 کو عین اسی دن ہوئی جس دن اعظم گڑھ کے باغیوں کی ایک جماعت نے ڈسٹرکٹ جیل کے پھاٹک کو توڑ کر قیدیوں کو آزاد کیا تھا''۔

شیخ علی حسن مبارک پوری واقعات وحوادثات مبارک پور میں لکھتے ہیں کہ:

''تاریخ 10 / شوال 1273ھ مطابق 3 / جون 1857ء

کو سپاہ سرکار نے بغاوت کیا، بوقت گیارہ بجے رات کو بغاوت کر کے جیل خانہ توڑ ڈالا، اور قیدیوں کو رہا کر دیا، بعد اس کے سرکاری دفتر خانہ اور عمارت کو پھونکنا، جلانا اور سرکاری خزانہ لوٹنا شروع کیا''۔

مجاہد آزادی پھول بدن سنگھ ''اعظم گڑھ سوادھنا سنگرام'' میں لکھتے ہیں کہ:

''3/ جون کو شیخ رجب علی نے چار ہزار مجاہدین کے ساتھ اعظم گڑھ کوتوالی پر حملہ کیا، اور کوتوالی پر مکمل قبضہ کر کے تمام کاغذات کو جلا دیا، اس حملے میں متعدد انگریز مارے گئے، سرکاری ریکارڈ میں 30 انگریزوں کی موت کا ذکر ہے''۔

شیخ رجب علی نے حملہ کے بعد اعظم گڑھ کی آزادی کا اعلان کر دیا اور اعظم گڑھ کچھ لمحوں کے لئے انگریزوں کے تسلط سے آزاد ہوا، چنانچہ اسی واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قاضی اطہر مبارک پوری صاحب تذکرہ علماء مبارک پور میں لکھتے ہیں کہ:

''شیخ رجب علی اور ان کے اصحاب یہاں کے مشہور بہادر تھے جنہوں نے 1857ء کی جنگ آزادی میں انگریزی حکومت کا ضلع سے خاتمہ کر دیا تھا''۔

اسی طرح قرآنی مقالات میں بمہور کے بارے میں درج ہے کہ:

''انگریزوں کے عہد میں یہ قریہ تحریک آزادی کا ایک اہم مرکز تھا''۔

اس واقعے کے چند ماہ بعد انگریز ایک بڑی فوج کے ساتھ طاقت اور انتقام کے نشے میں چور ہو کر آئے، جس کا آفیسر پینے نامی ایک انگریز تھا، جس نے شیخ رجب علی اور دوسرے مجاہدین کی گرفتاری پر پانچ پانچ سو روپے کا اعلان کیا تھا، شیخ رجب علی اور ان کے ساتھیوں نے برابر ان کا مقابلہ کیا ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں دوڑاتے رہے، ظاہر ہے کہ ایک بے سروسامان کہاں تک مقابلہ کرتا؟ شیخ رجب علی بمہور قریب بوئی کے باغ میں چھپے ہوئے تھے، کسی مخبر نے انگریزی آفیسر پینے کو یہ خبر دی کہ باغی باغ میں چھپے ہوئے ہیں، تو اس نے ایک بڑی فوج کے ساتھ حملہ کیا، جس میں کچھ مجاہدین شہید ہوئے، اکثر وہاں سے بچ کر نکلنے میں کامیاب ہوئے، ٹونس ندی کے قریب شیخ صاحب گھیرے میں آ گئے، تو اپنے ساتھیوں کو وہاں سے نکالنے میں کامیاب ہوئے، لیکن انگریز فوج کا میجر آپ کا سر چاہتا تھا، شیخ رجب علی ایک مکان کی چھت پر سے میجر کے اوپر کود گئے، جس کی وجہ سے اس کی ہڈیاں ٹوٹ گئی، باقی سپاہیوں نے شیخ صاحب کا پیچھا کیا، آپ نے ٹونس ندی میں چھلانگ لگا دی، ڈبکی لگا کر جب دوسرے کنارے پر سر باہر نکالا تو انگریزوں نے گولیوں اور تیروں کی بوچھار کر دی اور یہ مرد مجاہد وطن عزیز کی آزادی کا عزم لئے ہوئے جام شہادت نوش کر گیا، انگریزوں نے لاش کو ندی سے نکال کر سر تن سے جدا کر دیا، شیخ صاحب کی شہادت کے بعد انگریزوں کے حوصلے بلند ہو گئے اور انہوں نے سرزمین بمہور کو باغی قرار دیکر آگ لگا دی، اور جن گاؤں کے لوگوں نے شیخ صاحب کا ساتھ دیا تھا اس کو بھی انگریزوں نے اپنے ظلم وستم کا نشانہ بنایا، آس پاس کے متعدد گاؤں کو لوٹ پاٹ کا شکار بنا دیا، قاضی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''پھاٹک پر حملہ کی وجہ سے برطانوی حکومت نے اہل بمہور کو باغی قرار دے کر ان کو لوٹا اور آگ لگا دی''۔

انگریزوں نے بس اتنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ شیخ رجب علی اور دوسرے مجاہدین کی جائیدادیں بھی ضبط کر لی،

یوسف روش۔ حیدر آباد

نعت پاک صلی اللہ علیہ وسلم

ہونٹوں پہ شعر نعت کا آ کر مزے میں ہے
یعنی خیال و فکر کا محور مزے میں ہے

طیبہ نگر سے دور بھی رہ کر مزے میں ہے
اک عاشقِ نبیؐ کا مقدر مزے میں ہے

یہ نعت مصطفیٰؐ ہے میاں نعت مصطفیٰؐ
پڑھ کر مزے میں ہے کوئی سن کر مزے میں ہے

دربارِ مصطفائی نسبت نہیں تو پھر
مفلس مزے میں ہے نہ تونگر مزے میں ہے

تصویر دیکھی ہم نے مدینے کی جب روش
آواز آئی دل سے مقدر مزے میں ہے

اوران کے ورثاء کو در بدر بھٹکنے پر مجبور کر دیا۔

ماخوذ

(1) فیوض بمہور، مرتب مولانا ڈاکٹر محامد ہلال اعظمی
(2) تذکرہ علماء مبارک پور، قاضی اطہر مبارک پوری
(3) اعظم گڑھ سوادھنا سنگرام، راجنیتک اتہاس، جناب پھول بدن سنگھ
(4) تاریخ جنگ آزادی 1857ء، سید خورشید مصطفیٰ صاحب
(5) واقعات وحوادث مبارک پور

احمد علی برقیؔ اعظمی۔ دہلی

جشن باوقار

اِک جشن باوقار ہے یہ پندرہ اگست
اِک وجہِ افتخار ہے یہ پندرہ اگست

پرچم کشائی کیجئے ہرجا بصد خلوص
میزان اعتبار ہے یہ پندرہ اگست

آزاد جب ہوا تھا غلامی سے یہ وطن
اس کی ہی یادگار ہے یہ پندرہ اگست

دنیا میں ہے جو ہند کی عظمت کا اِک نشاں
وہ جشنِ شاندار ہے یہ پندرہ اگست

گلہائے رنگا رنگ ہیں اس کے نظر نواز
سب کے گلے کا ہار ہے یہ پندرہ اگست

سب کے سکونِ قلب کا باعث ہو یہ نہ کیوں
اِک نخل سایہ دار ہے یہ پندرہ اگست

جتنا بھی دل لگانا ہے اس سے لگایئے
بس پیار پیار پیار ہے یہ پندرہ اگست

جتنا بھی کوئی ناز کرے اس پہ ہے وہ کم
برقیؔ ترا وقار ہے یہ پندرہ اگست

(پہلی قسط)

ڈاکٹر آصف لئیق ندوی۔عربی لیکچرار، مانو وصدر رابطہ خیرامت، انڈیا

ظلم کا سہنا ظالم کی پشت پناہی ہے

موجودہ ہندوستانی ارباب اقتدار کو حکومت کرتے ہوئے اب سات سال مکمل ہوگئے ہیں، جس پر وہ بہت نازاں وفرحاں بھی ہیں اور ہر جگہ وہ اپنی تعریف کے پُل باندھ رہے ہیں! اپنی خامیوں اور کوتاہیوں کو بالکل نظر انداز کررہے ہیں، اسی طرح وہ اپنی چکنی چپڑی باتوں سے عوام کی آنکھوں میں دھول جھونک رہے ہیں، اپنے دور اقتدار میں شر پسند عناصر کو کھلی چھوٹ فراہم کرکے پورے ملک کی بدنامی کا ذریعہ بن رہے ہیں، اقلیتوں بالخصوص مسلمانوں، مظلوموں، بے سہاروں اور کمزوروں پر مسلسل ظلم وستم کے واقعات سن کر اور دیکھ کر اپنے منہ پر ہاتھ رکھ کر ماتم کرنے کے بجائے اندر ہی اندر مسکرا رہے ہیں اور ظالموں پر شکنجہ کسنے کے بجائے انکی حوصلہ افزائی کررہے ہیں، اقلیتوں کے حقوق غصب کرنے کا کھلے عام قانون بنا رہے ہیں، لگاتار انکے بہتے ہوئے ناحق خون کو دیکھ کر روکنے کے بجائے اپنے دلوں کو راحت وسکون پہنچا رہے ہیں یہاں تک کہ مریضوں پر بھی جانکنی کے عالم میں رحم دلی کا معاملہ نہ کرکے اپنی بزدلی اور گھٹیا پن کا واضح ثبوت فراہم کررہے ہیں، ان حقوق تلفیوں وناانصافیوں سے نہ صرف حکومت وملک کی شبیہ خراب ہورہی ہے بلکہ عدالت کی بھی بڑی توہین ہورہی ہے، اسی لیے عوام کا اعتماد وبھروسہ ارباب حل وعقد سے مسلسل اٹھتا جارہا ہے، یہ ناحق خون وناانصافی کی داستانیں قوم وملک کے ماتھے پر ایک بدنما داغ ہے، جو کبھی نہیں دھلا جاسکتا! تاریخ گواہ ہے کہ حالیہ سات سالہ دور اقتدار میں کیا کیا ناانصافیاں اور سازشیں ہوئی ہیں!؟ طاقتور طبقے نے کمزور طبقوں کا کتنا استحصال کیا ہے، اقلیتوں کے خون کو کتنا ارزاں سمجھ کر انکا قتل وخون ہوتے ہوئے چھوڑ دیا گیا ہے، مظلوموں کو انصاف فراہم کرنے کی بڑی ذمہ داریوں سیار باب اقتدار نے کسقدر آنکھ مچولیاں کھیلی ہیں، انکے دین وشعائر کا کتنا مذاق اڑایا گیا ہے، انکی مساجد ومراکز کو اجاڑنے کی کیسی کیسی گندی تدبیریں اختیار کی گئی ہیں، حتی کہ انکے کھانے پینے، تعلیم وتربیت، دعوت وتبلیغ اور عبادت وریاضت کے طریقوں پر کس کس طرح سے پابندیاں عائد کی گئی ہیں، علما ومبلغین پر کیسے کیسے طعنے کسے گئے ہیں، کیسی کیسی مصیبتوں سیظلم کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے والے مظلوم افراد واشخاص، طلبا وطالبات اور مسلم قیدیوں کو گزارا گیا ہے، کیسے کیسے جھوٹے الزامات واتہامات ان پر لگائے گئے ہیں، پورے ملک میں انکے خلاف سازشوں اور پروپیگنڈوں کا ایک جال پھیلا دیا گیا ہے، آخر ظلم کی بھی ایک حد ہوتی ہے؟ ظلم کا سہنا، مظلوم کی حمایت نہ کرنا۔ظالم کی پشت پناہی اور ملک کی پریشانی وبدنامی کا باعث ہے، صبر کی انتہا ہوگئی اور ظالموں کے ظلم کا ٹھکانہ نہیں رہا! جس کی وجہ سے آج ہم لوگ طرح طرح کی پریشانی کے شکار ہوگئے ہیں، خدا کے قہر وعذاب سے ہنوز ہمیں چھٹکارا نہیں، اگر ہم

خاموش رہے تو کہیں انکی پکڑ اس سے زیادہ سخت نازل نہ ہوجائے!۔کیوں کہ بقول شاعر: ظلم سہنا بھی تو ظالم کی حمایت ٹھہرا۔۔۔خامشی بھی تو ہوئی پشت پناہی کی طرح

چند سال قبل ہم لوگ کتنی آزادی کیساتھ اور پرامن وخوشگوار ماحول میں زندگی گزار رہے تھے اور آج اسی ملک میں ہم لوگ اپنے ظلم وزیادتی کی وجہ سے کتنی بدتر ین حالت میں پہونچ گئے؟! آخران نحوستوں کا حقیقی ذمہ دار ظالم اشخاص ہیں یا مظلوم طبقہ؟ یاد رکھئے! منحوس کردار کبھی میٹھا ثمر نہیں دیتا! آج جن چیزوں کیوجہ سے ہمارے درمیان دوریاں پیدا کردی گئیں!؟ پھر بھی اسکے باوجود ہمارے درمیان نفرت وعداوت کا زہر گھولا گیا، ظاہر ہے نتیجہ ہمارے اعمال وکردار کے ہیں، جیسی نیت ویسا کڑوا مزہ! کیا یہ حکومت کی ذمہ داری نہیں تھی کہ وہ نفرت و عداوت کی سرخ لکیروں کو مٹاتے ہوئے اسکی جگہ قومی یکجہتی، اخوت ومودت اور امن وامان کے ماحول کو پروان چڑھاتی اور آپسی اتحاد واتفاق کو ہمارے درمیان قائم ودائم رکھتی، مگر انکے پاس تو اتنی بھی جرأت نہیں ہے کہ وہ اپنی ناکامی، تنزلی اور معاشی بدحالی سے قوم وملک کو بخوبی واقف کرائے؟! جن وعدوں اور مدعوں کیساتھ اقتدار کی کرسی پر قابض ہوئی ہے، قومی ترقی اور رفاہِ عام کے ان تمام مثبت وعدوں کو پورا کرکے دکھاتی، مگر جب نیت میں ہی فطور ہے تو اعمال اور انکیفتائج سے پوری عوام جوجھ رہی ہے! ہمت ہے تو اپنے کاموں کی بدولت پر پبلک سے دوبارہ ووٹ مانگ کر دیکھے؟ دھرم کے نام پر تو فقیر وقلاش بھی بھیک مانگ کر اپنا پیٹ بھر لیتے ہیں! جادو تو وہ ہے جو سر چڑھ کر بولے، مظلوموں کی آہ اور خدا کے درمیان کوئی دیوار حائل نہیں ہوتی، خدا کے یہاں دیر ضرور ہے مگر انصاف کے لیے اندھیر نہیں ہے، ظلم کی ٹہنی کبھی نہیں پھلتی! نتیجہ یقیناً مظلوموں کے لئے خوش کن اور ظالموں کے لیے مایوس کن ہوگا!

کیونکہ جب ہم موجودہ حکومت کے سات سالہ دور اقتدار کا سرسری جائزہ لیتے ہیں! تو ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے اپنے کئے ہوئے ترقی کے تمام وعدوں سے نہ صرف انحراف کیا ہے بلکہ صرف منفی کارنامے، ہندو مسلم جھگڑے کی اعلی سرپرستی کی ہیاور مسلمانوں کیساتھ حق تلفی و ناانصافی میں اپنا ایک ریکارڈ قائم کیا ہے اور اپنے دور اقتدار میں صرف دھرم، ذات پات اور بھید بھاؤ کے ذریعے ملک کے خوشگوار ماحول میں زہر گھول کر تفریق ومنافرت کا بیج بویا ہے اور اچھے دنوں کے نام پر قوم وملک کو نہ صرف گمراہ کیا ہے بلکہ معاشی بدحالی کیوجہ سے ملک کو ہی بیچنا شروع کردیا ہے، آج اسی لئے وہ ہر محاذ پر ناکام ونامراد ہوگئے ہیں اور برادران وطن کو بھی گمراہی ونامرادی کا راستہ دکھا رہے ہیں! اپنے دور اقتدار میں انہوں نے عالمی پیمانے پر ملک کی بنی بنائی شبیہ کو بگاڑ کر رکھ دیا ہے! اسکے علاوہ اور بھی کچھ ایسے دستور وآئین مخالف کارنامے انجام دئے ہیں! جن کو عوام نے نہ صرف احتجاج ومظاہرے سے دھتکار دیا ہے بلکہ خدائے ذوالجلال نے بھی انہیں ناپسند کرکے انکے منحوس ارادوں پر ادنی تنبیہ فرمائی ہے اور معمولی مرض اور قہر وبا سے سبق حاصل کرنے کا موقع دیا ہے، متعدد تنبیہات ربانی اور لاک ڈاؤن کے طویل نفاذ نے پورے ملک کی معاشی و اقتصادی کمر توڑ کر رکھ دی ہے، اگر اب بھی ہم راہ راست پر واپس نہیں آئے! تو خدا کی پکڑ اس سے کہیں زیادہ سخت و مضبوط نازل ہوسکتی ہے! خدا کا شکر ہے کہ انہوں نے ہمیں

سنبھلنے کی مہلت دی! یہ خدا کا احسان وانعام ہے، مگر جب ظالموں کا دل ہی اسطرح سیاہ ہو جائے کہ ان پر بے توفیقی کی سخت مہر لگ جائے تو ہدایت و توفیق کا کوئی معاملہ ایسے لوگوں کیلیے بہت مفید بخش نہیں ہوسکتا، یہی صورتحال ہمیں ملک میں آج دیکھنے کومل رہا ہے کہ لاکھوں قیمتی جانوں کے ضیاع ونقصان کے بعد بھی اور دریاؤں میں بہتے ہوئے لاشوں کی غیر معمولی تعداد کے باوجود بھی ظالموں کی وہی رفتار بے ڈھنگی ہے جو قہر ووبا سے پہلے تھی اور وہی مکروہ کارنامے ہیں جواب بھی بدستور انجام دئے جارہے ہیں یا اسکی گہری پلاننگ ہورہی ہے، ملک کے لیے ایسی فطرت و جبلت کی حامل تنظیم وپارٹی اور شر پسند عناصر واشخاص سب نقصان دہ ہیں، جن کے ناپاک ارادے کی کبھی تکمیل نہیں ہوسکتی! تنبیہات ربانی کے باوجود بھی اگر صحیح ہم نے صحیح رہنمائی حاصل نہیں کی، تو پھر خدا ہی اس قوم وملک پر خیر کا معاملہ فرمائے، تمام ذی شعور برادران وطن کو ہوش کے ناخن لینا چاہیے اور اسے کم ازکم اپنے لیئے شرمناک اور افسوسناک ٹریجڈی اور فتنہ سمجھتے ہوئمتنبہ ہوجانا چاہیے!! مگر جب انسان کی زندگی سے حیا ہی رخصت ہوجائے تو پھر وہ جو چاہے کرے! ایسے ہی لوگوں کیلیئے تو خدا کی پکڑ بہت شدید ہے، خدا ہمیں اپنی ہر پکڑ سے محفوظ فرمائے، افسوس تو یہ ہے کہ ظالموں کو اپنی خامیوں اور غلطیوں پر احساس ندامت بھی باقی نہیں بچی، غالب نے ہماری بجا ترجمانی کرتے ہوئے کہا ہے ۔

داغ دل گر نظر نہیں آتا
بو بھی اے چارہ گر نہیں آتی

کم ازکم ملک کے غیور وخوددار اشخاص وافراد کو کسی بڑے عذاب میں گرفتار ہونے سے پہلے ارباب اقتدار کی نیتوں کا محاسبہ ضرور کرنا چاہئے کہ خدا کے عذاب سے ہمیں موجودہ ارباب اقتدار ہرگز نہیں بچاسکتے جوادنی مرض کورونا سے ہمیں نہیں بچاسکیںبھلا وہ ہمیں کیاقدرت کیبڑے عذاب سے بچاسکیں گے! افسوس کا مقام ہے کہ ہم نے انکی چکنی چپڑی باتوں اور دھوکے میں آکر زمام اقتدار انکے سپرد کردیا ہے، جسکے وہ کسی طرح سیبھی اہل نہیں تھے، اسی لیے کہ وہ اپنی غلط پالیسیوں، حرکتوں اور متعدد سازشوں سے نہ صرف ملک کا بلکہ پوری قوم وبرادری کا بیڑہ غرق کررہے ہیں، پھر تو ہمیں بھولے سے بھی دوبارہ انکی چکنی چپڑی باتوں میں نہیں آنا چاہئے ورنہ ہم اس شعر کے سراپا مصداق بن جائیں گے! کہ "خودتو ڈوبے ہیں صنم، ہم کوبھی لےڈوبیں گے"۔۔

پریشانی ومصیبت کے عالم میں شر پسندوں کا کمزوروں پر ظلم وزیادتی کرنا، انکو ڈرانا اور دھمکانا خود حکومت کی بھی بڑی توہین ہے، جس سے انہیں ہرحال میں گریز کرنا چاہئے، دیکھتے ہیں کہ کب تک وہ برادران وطن کی آنکھوں پر پٹیاں ڈال کر اپنے کالے کرتوت کو چھپاتے پھرتے ہیں، ایک نا ایک دن انہی کی قوم انکے محاسبہ کوضرور کھڑی ہوگی اور معاملہ ارباب اقتدار کے دامن کی گرفت تک پہونچ جائے گا، مگر افسوس صد افسوس کہ اب بھی بعض اندھ بھکتوں نے ان سے یہی امید لگا رکھی ہے کہ ہمارا بیل ایک دن دودھ ضرور دے گا!؟ حالانکہ جوملک کے خیرخواہ نہیں ثابت ہوئے بھلا وہ کیونکر ہمارے خیرخواہ ثابت ہوسکتے ہیں، انہوں نے تو قوم وملک کی ترقی کا پورا بیڑہ ہی غرق کردیا ہے، اس کی پرامن وپرسکون فضا کو اپنی گندی اور

اوچھی سیاستوں سے مکدر و متعفن بنا دیا ہے! اپنے متعدد حربوں اور پروپیگنڈوں سے ملک کی ملی و سماجی طاقت و قوت کو توڑ کر رکھ دیا ہے! قوموں میں طرح طرح سے پھوٹ ڈال کر رکھ دیا ہے، کہیں نفرت وعداوت کا ماحول پیدا کر دیا ہے، حکمرانوں کی انہی کمزوریوں کو دیکھتے ہوئے بڑے بڑے مافیاؤں نے بینکوں کو ان کے دور اقتدار میں لوٹ کر راہ فرار اختیار کر لیا ہے! جن کی وجہ سے ملک ہر محاذ و میدان میں پیچھے ہو کر رہ گیا ہے اور اس کی ترقی و خوشحالی کا ظاہری و باطنی جو برا حال ہوا ہے، وہ ہماری آنکھوں سے اوجھل نہیں ہے، ایسا لگ رہا ہے کہ ترقی کی جگہ تنزلی نے اور خوشحالی کی جگہ بدحالی نے لے رکھی ہے! ملک کا پورا اقتصادی نظام بالکل چوپٹ ہو کر رہ گیا ہے! ملک کی معاشی جی ڈی پی کا حال چالیس سال کے عرصے میں کسی کے دور اقتدار میں اس طرح خستہ اور برا نہیں دیکھا گیا! جو موجودہ ہندوستانی دور اقتدار میں دیکھا اور مشاہدہ کیا جا رہا ہے، لاک ڈاؤن، جی ایس ٹی اور نوٹ بندی جیسے غیر مجرب فیصلوں کیوجہ سے اچھے بڑے تاجروں اور مالکوں کی وہ بری حالت ہو کر رہ گئی ہے کہ کل تک جو غنی و امیر تھے، آج وہ فقیر وقلاش ہو گئے ہیں! کل تک جو زکوۃ ادا کرنے والے تھے، آج وہ زکوۃ کھانے والے بن گئے ہیں! کل تک جو بانٹا اور راہ خدا میں لٹایا کرتے تھے، آج وہ دانے دانے کو ترس کر رہ گئے ہیں! کاروبار کا وہ برا حال ہو گیا ہے کہ لوگ بھکمری کے عالم میں پہنچ گئے ہیں! نوجوانوں کو کروڑوں نوکریاں فراہم کرنے کے بجائے انکی تقریبا تین کروڑ سے زائد نوکریاں ختم ہو گئی ہیں، مستقبل قریب میں جن کی بھرپائی کی کوئی امید نظر نہیں آ رہی ہے! کیونکہ یہ اصولی بات ہے کہ ظلم کی ٹہنی کبھی نہیں پھلتی! کھیت میں ہم جیسا اناج بوئیں گے، اسکا پھل بھی ہم ویسا ہی کاٹیں گے!!

نوخیز محقق محسن خان کی تیسری تصنیف ''میزانِ ادب'' کی رسم رونمائی کرتے ہوئے ڈاکٹر محمد غوث، پروفیسر فضل اللہ مکرم، ڈاکٹر م ق سلیم، سید عظمت اللہ بیابانی، ڈاکٹر سید حبیب امام قادری، ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی، ڈاکٹر مختار احمد فردین، محمد آصف علی ریسرچ اسکالر، محمد سلیم وغیرہ

اُم کوثر اقبال فاطمہ۔ مقیم حال شارجہ

احساسِ زیاں

اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا (سورۃ الاسرار۔۳۶)

(بے شک سننے، دیکھنے اور سوچنے کی ہر صلاحیت کے بارے میں تم سے پوچھا جائے گا (کہ کس طرح استعمال کیا اور کیا حق ادا کیا؟)

اسی کے مطابق دارالامانِ ہند کے عظیم دانشور اور رہنما گاندھی جی نے تین بندروں کے ذریعہ "برا نہ کہو، برا نہ سنو، برا نہ دیکھو" کا آفاقی اصول دیا تھا۔ جس پر عملی زندگی کی سچی رونق اور روحانی سکون کے ساتھ امن وامان کا ضامن ہے اور تاریخ گواہ ہے کہ آزاد ہندوستان نے اس اصول سے انسانیت اور اخلاق وشائستگی کی تہذیب کو قائم رکھا جو دنیا بھر میں مثالی جمہوریت اور تہذیب قابل فخر ورثہ ہے ہمارے لیے۔ لیکن ٹی۔وی کے ہر گھر میں لازمی وجود نے جس طرح کے عریاں اور حیاسوز ڈرامے اور اشتہارات عام کردیئے اس نے دیمک کی طرح ہماری قابل قدر تہذیب وشائستگی کو متاثر کرنا شروع کیا کہ مزاج کے مطابق انسان اچھائی سے زیادہ برائی کا اثر جلد قبول کرتا اور دن بھر مسلسل جس طرح کی چیزیں دیکھتا اور سنتا ہے اسی کے مطابق مزاج اور سماج کا رواج بن جاتا ہے اسی لیے عصری تعلیم کے نصاب میں پہلے دینیات اور غیر مسلم کے لیے اخلاقیات کی تعلیم بھی لازم تھی جو تعلیم وتربیت کا بہترین ذریعہ تھی، لیکن ایک جانب نصاب سے اس مضمون کی کمی اور اس کی جگہ اشتہارات اور ڈراموں سے عریاں مناظر، بے باک مکالمے اور گستاخانہ انداز بیان بتدریج ہماری بہترین تہذیب اور شائستگی کو دیمک کی طرح کھانے لگے۔ دور ہائی قبل مولانا ابوالحسن ندویؒ نے مؤمنانہ فراست سے اس آنے والی گمراہ کن تباہی کا اندیشہ اپنے پیام انسانیت کے ذریعہ سارے ملک وقوم کو جھنجھوڑتے ہوئے ہر طرح سے نہ صرف آگاہ کیا بلکہ کہا تھا: "اگر اس بے راہ روی اور بے حیائی کو روکا نہ گیا تو اندیشہ ہے کہ ہندوستان میں بھی کہیں اسپین یا بغداد کی تباہی اور زوال کی تاریخ نہ دہرائی جائے"۔ شاید اسی سے متاثر ہوکر میں نے اس وقت کی وزیر اطلاعات ونشریات کے نام روزنامہ سیاست میں "کھلا خط" لکھا تھا۔ جس میں اس بتدریج ہونے والی غلط تربیت سے متنبہ کرتے ہوئے ان پر پابندی کی درخواست کی تھی۔ آج بیس پچیس سال بعد بدقسمتی سے ٹی۔وی کے حیاسوز اور اشتہارات کی عریانی کے ساتھ انٹرنیٹ نے اپنے بازاری فحش ویڈیوز کے ذریعہ بیمار ذہنوں اور ہماری نئی نسل کے دین واخلاق سے لاعلم ذہنوں کی تباہ کن تربیت کی سازش کامیابی سے جاری رکھی ہے، جس کے بتدریج اثر نے آج ہمارے لیے صحیح اور اچھے برے کی تمیز زائل کردی اور ہر برائی اور ظلم کو خطرناک حد تک وباء کی شکل میں خاص وعام ہر سطح پر عام کردیا ہے جس کی تباہ کن حیثیت آج ہر دل کا زخم اور ہر روح کی تڑپ اور کسک بن گئی ہے۔ خالق انسانیت نے جہاں فطرتِ انسانی میں خیر وشر کی تمیز اور سب کے لیے خیر خواہی کا جذبہ رکھا ہے وہیں قیامت تک کے لیے ہر مومن کے لیے ہر اچھی بات کو بتانے اور پہنچانے اور ہر برائی کو روکنے اور مٹانے کا حکم بھی فرض قرار دیا ہے۔

اپنے کم علم وحقیر ہونے کے احساس کے باوجود ملک وقوم کے لیے مخلصانہ خیر خواہی کا جذبہ مجبور کرتا ہے کہ آج پھر اپنے قوم وملت کے علماء اور دانشوروں سے) عرض ہے کہ یہ حیا سوز تباہی کی بڑھتی آگ سے حالات کے ساتھ شاید قہر خداوندی بھی کہیں ہمارے خلاف فیصلہ مقدر نہ کردے، اس لیے خدارا حکومت وقت اور اربابِ مجاز سے اس بے حیائی اور گمراہی کے مناظر اور تشہیر پر سخت پابندی عائد کرنے کی پرزور وکالت بلکہ سخت مطالبہ کیا جائے جو ہر مخلص ہندوستانی کا حق ہے۔

فطرت افراد سے اغماض بھی کر لیتی ہے
لیکن کرتی نہیں اُمت کے گناہوں کو معاف

اسلام واحد دین حق ہے تو اس کی آزمائش بھی ہر دور میں لازم رہی۔ الحمدللہ علمائے دین نے بصیرت حق کے ساتھ اس ملت مرحومہ کی اصلاح اور فلاح کا حق بھی ادا کیا ہے۔ شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ اور مولانا آزاد کے جانشین جمعیت علماء ہند کے علم وبصیرت سے یہی توقع ہے کہ آج بھی تقاضہ کے مطابق فریضۂ حق ادا کرتے ہوئے اس ''جہاں نما ہند'' یا ''دارالامان'' میں ملک وملت کی حفاظت ورہبری فرمائیں گے اور امن وامان کی فضاء قائم کریں گے۔

(۱) امام مالکؒ کے بقول ''اس امت کی اصلاح نہ ہوسکے گی جب تک کہ وہی طریقہ اختیار نہ کیا جائے جس سے اس کے ابتدائی عہد نے اصلاح پائی اور وہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ ''قرآنِ حکیم کے اصلی وحقیقی معارف کی تبلیغ کرنے مرشدین وصادقین پیدا کیے جائیں''۔ اور مزید تشریح شیخ الہندؒ نے فرمائی کہ جگہ جگہ قرآنی درس وتربیت کے مرکز مدارس قائم کیے جائیں جو بلاتفریق مزاج ومسلک، دین کے بنیادی علم وشعور کی تربیت اور تعلیم کا فریضہ انجام دیں۔ جیسے حضور اکرم ﷺ نے بتدریج تبشیر وانذار کے ساتھ تبلیغ دین وقرآن کا کام کیا۔ یہ ملت کی داخلی اصلاح وفلاح کا ذریعہ ہوگا۔ جو لازمی بنیادِ خیر ونجات ہے۔

(۲) اجتماعی طور پر ''وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَلَاتَفَرَّقُوْا'' کے ساتھ ''تَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ والتَّقْوٰی وَلَاتَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ'' کی معاشرتی تربیت (سورۃ الحجرات کے مفہوم ومعانی کو عام کرتے ہوئے) دینا خصوصی تقاضۂ وقت ہے

(۳) ''اَطِیْعُوْاللّٰہَ وَاَطِیْعُوْا الرَّسُوْلَ وَاُوْلِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ'' کی تعمیل اس دارالامان ''جماعت مسلمین'' یا ''ہیئت اجتماعیہ'' کی صورت میں ممکن ہے جس کے لیے دربارِ رسالت کے نمونے پر مساجد کو نظام عبادت کے ساتھ تنظیم معاشرت کا مرکز ومنبع بنا کر امارتِ شرعیہ بہار کی طرح قومی اور ملی مسائل میں ملت کی متحدہ نمائندگی اور رہبری کی جائے۔ ''جامع مسجد'' مستقر کے لیے بہترین اور واحد پلیٹ فارم ہے، اس ماحول میں جہاں ہر محلے کی مسجد کی نمائندے رہنما قیادت یا ہیئت اجتماعیہ یا بالفاظ دیگر مجلس قیادت کی شکل میں اولی الامر کے قائم مقام ہوں گے۔

آخر میں حضور ﷺ نے میثاق مدینہ کے ذریعہ جس جمہوری نظام حکومت کا دستور بنایا تھا۔ یا نبوت سے قبل مکہ میں قیام امن کے لیے معاہدہ ''حلف الفضول'' کے نام سے بقائے باہم اور انسداد ظلم وبدامنی کے لیے امن پسند اور صائب الرائے اصحابِ مکہ نے ''امن کمیٹی'' تشکیل دی تھی، جس کی تعریف اور تائید فتح مکہ کے بعد بھی حضور ﷺ نے بارہا فرمائی، وہی ہمارے لیے اسوۂ حسنہ ہے آج قیام امن کے لیے کہ امن پسند اور صائب الرائے اصحابِ دانش سے (جو غیر مسلم ہم قوم ہیں) بقائے باہم کی اساس پر رابطہ کرکے ''امن کمیٹیاں'' ہر بستی میں قائم کریں۔

بلال احمد بھٹ (بارہ مولہ، جموں وکشمیر) ریسرچ اسکالر شعبۂ اُردو۔ فارسی، گجرات یونیورسٹی، احمد آباد

ہندوستانی تہذیب کا تعارف: تاریخ کے آئینے میں

تہذیب کے لغوی معنی ہیں ۔کانٹ چھانٹ کرنا، پاک صاف کرنا، سنوارنا اور اصلاح کرنا، آراستہ و پیراستہ کرنا، شائستہ بنانا، عیوب کو دور کرنا وغیرہ۔ اصلاح میں تہذیب سے مراد ہے خاص ذہنی ساخت جس سے افرادِ ملت کے سیرت وکردار کی تشکیل ہوتی ہے۔ آج کل لفظ ''تہذیب'' کسی قوم کی زندگی کے خدوخال، رسم ورواج، اصول وضوابط اور طرز بودوباش کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ گویا ایک قوم کے خدوخال جو اسے دوسری قوموں سے ممتاز کریں تہذیب کہلاتی ہیں۔

لفظ ''تہذیب'' کا تعلق زبان مراٹھی کے لفظ ''سنسکرتی'' سے مربوط ہے۔ معنی کے اعتبار سے لفظ ''تہذیب'' کے مختلف پہلوؤں پر معنی اخذ کیے جاسکتے ہیں۔ دراصل لفظ ''تہذیب'' ایک وسیع مفہوم والی اصطلاح ہے۔ ڈاکٹر کامل قریشی نے اپنی کتاب ''اُردو اور مشترکہ ہندوستانی تہذیب'' میں ایک سرسری انداز کے مطابق تہذیب کو ان لفظوں میں بیان کیا ہیں:

> '' تہذیب سے مراد انسانی زندگی کا گذر بسر کرنے کا طریقہ ہے چونکہ تہذیب کا تعلق حقیقتاً انفرادی نہیں بلکہ اجتماعی ہے۔ اسی طرح یہ ہماری زندگی کی ناقابل تقسیم اکائی ہے۔ زندگی گزارتے ہوئے ہم اپنی روایات کے ساتھ جیتے ہیں۔ اسی دائمی طور پر رونما ہونے والی نت نئی تبدیلیوں کو قبول کرتے ہیں۔ اس دوران دوسری تہذیبوں سے ہمارا واسط پڑتا ہے اور ہماری زندگی پر ان کے اثرات مرتب ہوتے ہیں جس کی وجہ سے ہماری اپنی زندگی کی اپنی تہذیب میں بھی کچھ تبدیلیاں ہوجاتی ہے۔'' [1]

تہذیب کو انگریزی کے لفظ ''Culture'' کے منظم معنی میں استعمال کیا جاتا ہے۔ کلچر تہذیب کی طرح ایک وسیع معنی ومفاہیم کا حامل ہے جو زندگی کے ہر شعبے کے ساتھ جوڑا ہوا ہے۔ اس میں اخلاق، عادات، معاشرت، سیاست، مصنوعات، قانون، لباس، خوراک، آرٹ، موسیقی، ادب فلسفہ، مذہب، سائنس وغیرہ سب کچھ شامل ہے۔ تہذیب کو اور زیادہ وسیع تر مفہوم میں سمجھنے کے لیے تمدن کے ساتھ اس کا تقابلی جائزہ لینا ناگزیر ہے۔ تمدن سے مراد وہ باتیں ہیں جو Civilisation میں شمار ہوتی ہیں۔ مثلاً شائستہ، بودوباش میں ''شہری زندگی گزارنا'' یا ''اپنانا'' وغیرہ۔ تمدن حقیقت میں ضروریات زندگی کی پیداوار ہے۔ انسان کی ضروریات رفتہ رفتہ تمدن کو جنم دیتی ہے۔ یہ بات بھی واضح ہے، کہ تمدن کا تہذیب کے ساتھ کافی مماثلت پائی جاتی ہے۔ تہذیب کا تعلق نظریات سے ہوتا ہے جبکہ تمدن کا تعلق اعمال سے ہوتا ہے۔ تمدن کسی خاص تہذیب کی عملی صورت کا نام ہے۔ اس حوالے سے ہم یہ بھی کہہ سکتے ہے کہ تہذیب ایک بنیادی چیز کا نام ہے جبکہ تمدن اس سے نکلنے والی

شاخ ہے ۔تہذیب اور تمدن کا تعلق جسم اور روح جیسا ہے ۔تہذیب روح ہے اور تمدن اس کا جسم یا ان دونوں میں بیج اور درخت کا تعلق ہے ۔دوسرے لفظوں میں تہذیب بیج ہے اور تمدن اس سے پیدا ہونے والا درخت ہے۔

تہذیب کے اصطلاحی معنی کو سمجھنے کے بعد اس کے تاریخی پہلوؤں پر روشنی ڈالنی نہایت ہی اشد ضرورت ہے۔تا کہ اس لفظ کے اصلی جڑوں کو سمجھنے میں آسانی ہوگی ۔ ہندوستان چونکہ مشترکہ تہذیب وتمدن کا سماج شروع سے ہی رہا ہے۔یہاں مسلمانوں میں سب سے عرب حملہ آوروں کی حیثیت ۷۱۲ء میں ہندوستان میں داخل ہوئے ۔اور اُنھوں نے سندھ اور ملتان میں اپنی حکومت قائم کی۔جنوبی ہند میں ان کے آنے کا سلسلہ غالباً اس سے پہلے تاجروں کی حیثیت سے شروع ہو چکا تھا۔۷ویں صدی کے بعد وہ سمندر کے کنارے سے گجرات اور جنوبی ہند والے علاقوں میں آباد ہونے لگے۔ایک قیاس آرائی کے مطابق ہندوستان میں اسلامی تہذیب اور ہندو تہذیب کا سابقہ اور باہمی تاثیر وتاثر کا سلسلہ اسی وقت سے شروع ہوا۔اس کی ایک زندہ مثال سندھی ،گجراتی اور دوراڈی زبانوں میں عربی الفاظ بکثرت پائے جاتے ہیں۔ زبانوں کے علاوہ معاشرت ، رسم ورواج اور معاشیت جیسے معملات میں عرب مسلمانوں اور سندھ سے مدراس تک کے ساحلی علاقے کے ہندوؤں نے ایک دوسرے پر کافی اثرات قبول کیے ہیں۔

دراصل ہندوستان کی تہذیب کو سمجھنے کے لیے ہمیں ہندوستان میں صدیوں سے آباد ہندو مسلم کی تاریخ کو سمجھنا ضروری ہے ۔جس طرح ہندو مسلم کے ثقافتی وتہذیبی میل ملاپ زبان وادب کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے اسی طرح دونوں قوموں کی زندگی کے طور طریقے ،فکر ونظر ،دین ومذہب ،آداب واخلاق ،رہن سہن ،رسم ورواج اور علمی وادبی وسماجی ذوق وشوق کے ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہونے ،سمجھنے اور شیر وشکر ہوجانے سے جن ملی جلی قدروں نے جنم لیا ہے وہ مشترکہ طور پر ہندوستانی تہذیب کہلاتی ہے۔مشترکہ تہذیب قدیم دور سے مغلوں کے دور تک آتے آتے عروج تک پہنچ گئی۔اسی مشترکہ تہذیب کو پروفیسر خواجہ احمد فاروقی نے اپنے الفاظوں میں اس طرح بیان کیا ہیں: کہ

> ’’ مغلوں کے زمانے میں جو نخل ہندی اور پیوندکاری کے تجربات سے گزر چکے تھے۔یہ تہذیبی نقش اور زیادہ حسین ہوگیا۔انھوں نے ترکوں کو سخت کوشی ،فرخ دلی اور خوداری میں ایرانیوں کی لطافت اور شائستگی اور مساوات اور اخلاقی ضبط کی قلم لگا کر ہندوستان کی گنگا جمنی تہذیب کی اس طرح آبیاری کی کہ وہ ایک تناور درخت بن گئی اور اس کی جڑیں جمالیاتی شعور اور تصوف کی انسان دوستی تک پہنچ گئیں ۔اس زمانے کی عمارتیں ،تصویریں ،تصوف کی تحریکیں اور شعروشاعری کے کارنامے سب اس امتزاج اور اتحاد پسندی کے آئینہ دار ہیں۔‘‘ ۲

ہندوستانی تہذیب کی ایک اور انوکھی خصوصیات یہ بھی ہے کہ اس کی کثرت میں وحدت اور وحدت میں کثرت کا جلوہ نمایاں طور پر ظاہر ہوتی ہے ۔چاہیے، ہندوؤں اور مسلمانوں کی راہیں کتنی ہی الگ کیوں نہ ہو ۔لیکن منزل ہمیشہ ایک ہی جگہ پر مل جاتی ہے۔یہاں کے صوفیوں ،سنتوں اور سادھوؤں کے نغمے اور گیت چاہیے

کتنے ہی ایک دوسرے سے الگ کیوں نہ ہوں لیکن ان کی لے ایک ہی ہے۔ وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے معاملے میں ہندو مسلمان ایک ہی دائرے کے ارد گرد گھومتے ہے۔ مسلمان اگرچہ اپنے عقائد اور رسم و رواج کے طور پر کتنے ہی اسلامی کیوں نہ ہوں۔ اسی طرح اگرچہ ہندوؤں کی اپنی ریتیں، رسمیں خواہ کتنی ہی ہندو مذہب کے مطابق ہوں۔ لیکن آخر پر دونوں سے ایک تیسری چیز وجود میں آتی ہے جو کہ ''مشترکہ ہندو مسلم تہذیب'' کہلاتی ہے جس میں صرف ہندوستانیت نمایاں طور پر جلوہ گر ہوتی ہے اور جو اپنی انفرادی خصوصیات کی وجہ سے ملک کے باہمی اتحاد، وطن پرستی، انسان دوستی اور قومی یکجہتی کا روشن نشان بن کر اُبھرتی ہے۔

تہذیب کو اور زیادہ وسیع معنی میں سمجھنے کے لیے اس کا تقابلی جائزہ ثقافت سے لینا ناگزیر ہے۔ تہذیب و ثقافت یعنی وہ رسم ورواج اور طور طریقے جو ہماری زندگی پر حکم کرتی ہے۔ تہذیب وثقافت یعنی ایمان وعقیدہ اور وہ اہتمام عقائد ونظریات جو ہماری انفرادی اور اجتمائی زندگی میں شامل ہے۔ بنیادی طور پر ہم تہذیب وثقافت کو انسانی سماجی زندگی کا ایک اہم اصول قرار دیتے ہے۔ ثقافت یعنی ایک معاشرے اور ایک قوم کی اپنی خصوصیات اور عادات و اطوار، اس کا طرز فکر، اس کا مذہبی نظریہ، اس کے اہداف ومقاصد اور یہی چیزیں کسی بھی ملک یا قوم کی تہذیب کی بنیاد بنتی ہیں۔ دراصل تہذیب وثقافت قوموں کے تشخص کا اصلی سرچشمہ ہے۔ قوم کی ثقافت اسے ترقی یافتہ، باوقار، قوی وتوانا، عالم ودانشور، فنکار وہنرمند اور عالمی سطح پر معزز بنادیتی ہے۔ اگر کسی قوم کی ثقافت زوال کا شکار ہوجایئے، تو وہ ملک ترقی کی راہ پر گامزن نہیں ہوگا اور وہ قوم اپنے قومی مفادات کو تحفظ بھی فراہم نہیں کرسکتا ہے۔

بنیادی طور پر ثقافت کے دو حصے ہیں ایک حصہ ان امور اور معاملات سے تعلق رکھتا ہے جو ظاہری شکل میں نمودار ہوتی ہے۔ ان امور کا قوم کے مستقبل میں بڑا رول حاصل ہوتا ہے۔ یہ امور قوم کی اہم منصوبہ بندیوں میں موثر ہوتے ہیں۔ جیسے لباس، رہن سہن وغیرہ۔ یہ سب معاشرے کی ظاہری ثقافت کا نمودار قرار دی جاسکتی ہے۔ ثقافت کا دوسرا حصہ یا پہلو وہ ہوتا ہے جو پہلے حصے کی مانند کسی قوم کی تقدیر طے کرنے میں معاون ثابت ہوتا ہے لیکن اس کے اثرات اور نتائج جلدی سامنے آتے ہیں اور بہ آسانی محسوس بھی کیا جاسکتا ہے یعنی یہ وہ ثقافتی امور ہوتے ہے جو خود تو ظاہر نہیں ہوتے ہیں لیکن ان کے اثرات کسی قوم کی ترقی کے معاملے میں بہت نمایاں ثابت ہوتی ہے۔ ان میں سب سے اہم رول اخلاقیات کا ہوتا ہے۔ یعنی کسی بھی سوسائٹی کے افراد کی نجی اور اجتماعی زندگی کا طور طریقہ کیسا ہے۔

مندرجہ بالا تاثرات کی روشنی میں ہم یہ کہ سکتے ہے کہ کسی بھی معاشرے میں ثقافت اور تہذیب اور جان کا مقام رکھتی ہے۔ یہ ایک بہت پُرانا طریقہ ہے کہ کوئی قوم دوسرے قوم پر اپنا غلبہ یا تسلط قائم رکھنے کے لیے اس قوم کی تہذیب وثقافت کو ختم کردینے کی کوشش کرتا ہے۔ دنیا کی تمام بیدار قومیں اس بات پر متفق ہے کہ اگر کسی ملک یا قوم نے اپنی تہذیب وثقافت کو کسی دوسرے ملک کی تہذیب و ثقافت کا شکار ہونے دیا تو اس قوم کا زوال ممکن ہے۔ غلبہ یا ترقی اس قوم کو حاصل ہوتی ہے جس کی تہذیب وثقافت غالب رہتی ہے۔ ثقافتی تسلط، اقتصادی، سیاسی اور فوجی تسلط

سے بھی کہیں زیادہ تباہ کن ہے۔ کیونکہ اگر کوئی قوم دوسرے قوم کے ثقافتی وتہذیبی غلبہ کرنے میں کامیاب ہوا۔تو یقیناً اس قوم کے تشخص پر سوالیہ نشان لگ جانے کے بعد اس کا خاتمہ ہوجانا کمزوری بنتا ہے۔اگر کسی قوم کو اس کی تاریخ ،تہذیب وثقافت ،تشخص ،علمی ،مذہبی اور ادبی افتخارات سے الگ کردیا جائے تو وہ قوم اعتبار کی مرضی کے مطابق ڈھل جانے کے لیے تیار ہوجاتی ہے اور وہ قوم مردہ قوم کی حیثیت جانی جاتی ہے۔

ہندوستان کی پرانی تاریخ پر اگر نظر دہرائی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ بڑے پیمانے پر ہندوؤں اور مسلمانوں کی تہذیب کا یکجا ہونا ہے۔جسے حقیقت میں ہندو مسلم تہذیب کہا جاتا ہے۔گیارھویں صدی عیسوی میں غزنویوں کے پنجاب اور ملتان پر قبضہ کرنے سے شروع ہوگیا تھا۔اسی دوران سلطنت دہلی کا قیام بھی اس حوالے سے نہایت ہی اہم رول ادا کرتا ہے۔دراصل ہندوستان میں مسلمانوں کے حملے کا بنیادی مقصد اسلامی ریاست اور شریعت اور قرآن محمد ﷺ کے مطابق ایک اسلامی معاشرے کی تعمیر کرتا ہے۔لیکن بہت ساری وجوہات کی بنا پر ان کی یہ کوشش مکمل نہیں ہوئی۔نتیجے کے طور پر مسلمان ہندوستان کی مجموعی زندگی میں وحدت اور استحکام پیدا کرنے میں پوری طرح کامیاب نہیں۔حالات نے رفتہ رفتہ دونوں کو ایک دوسرے کو سمجھنے اور متاثر ہونے پر مجبور کیا ہے اور چند صدی کے بعد ہندوستان کی پوری سیاسی وتہذیبی حالات تبدیل ہوں گے۔اس حوالے سے مسلمانوں کی خودمختار حکومتیں جو ملک کو مختلف مقام میں قائم تھیں نے بھی اہم رول ادا کیا ہے۔خاص کر بہمنی سلطنت اور اس کی جانشین دکنی ریاستیں اور اس کے علاوہ بنگال اور کشمیر کی بادشاہتیں جو مرکز سے دور تھیں وہ اپنی پالیسیوں کی وجہ سے ہندوؤں میں زیادہ مقبول ہوئیں۔اگرچہ ہندو سلطنت دہلی سے کتنے ہی بددل کیوں نہ ہوں عام مسلمانوں سے ان کے تعلقات خاصے خوشگوار ہوگئے۔ہندوؤں اور مسلمانوں کے باہمی تعلقات کو مزید وسعت دینے کے لیے خودمختار مسلمان سلطنتوں کے علاوہ مسلمان صوفیوں نے بھی اہم رول ادا کیا ہے۔

ہندوستان میں ہندوؤں اور مسلمانوں کی مشترکہ تہذیب کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنے کے لیے مختلف تحریکوں اور رجحانات نے بھی اہم رول ادا کیا ہے جس میں بھگتی تحریک کا نام خصوصیات کے ساتھ لیا جاسکتا ہے۔اس تحریک کا عقیدہ ادیار اور الوار شاعروں کے کلام میں نشونما پاتا رہا۔یہاں تک کہ گیارھویں صدی میں رامانئین نے اسے فلسفے کی بنیاد پر استوار کردیا۔رفتہ رفتہ اس کے اثرات شمالی ہند میں نظر آنے لگے۔ بعد میں تیرھویں صدی کے شروع میں مسلمانوں کی سلطنت قائم ہونے کے بعد شمالی ہند میں بھگتی کے لیے اور بھی سازگار ماحول پیدا ہوگیا۔جس کی وجہ سے راجپوت ریاستوں میں ویشنومت کو بھی اور زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی۔اسی دوران کبیر نے بھی مشترکہ عام ہندوؤں اور مسلمانوں کے گہرے روحانی جذبات کی ترجمانی کی ہے۔ان کے یہاں عاشقیہ ذوق و شوق،سوز وساز،تسلیم ورضا کے ساتھ ساتھ مخلصانہ جذبات پائے جاتے ہے۔کبیر اسلام اور ہندویت دونوں کی روحانی بنیاد کو ایک ہی سمجھتے ہیں۔دونوں کے تصورات واصطلاحات سے یکساں کام لیتے ہیں۔ذات پات اور رنگ ونسل کے امتیازات کے وہ سختی سے مخالف ہیں اور سبھی

مذاہب کے انسانوں کو برابر سمجھتے ہیں۔کبیر نے اپنے خیالات، جذبات واحساسات کو متفرق گیتوں کی شکل میں پیش کیا ہے۔غرض کبیر ایک ایسی شخصیت ہے جن کا دور ہندوستانی تہذیب وتمدن میں نمایاں ہے۔

ہندوستان میں تہذیب کے معنی و مفاہیم اور تاریخی پہلو کا اجمالی جائزہ لینے کے بعد مختصر طور پر دیکھیں کہ کس طرح ہندوستان میں ہندؤ مسلم کی مشترکہ تہذیب وجود میں آنے کے بعد یہاں کی عام زندگی اور سیاسی و معاشرتی زندگی پر اثرات مرتب کیے تاکہ ہندوستان میں تہذیب کے اصلی رنگ وروپ کو سمجھنے میں اور آسانی ہوگی۔

(۱)۔ مسلمانوں کی آمد کے بعد جب ہندوستان کی بحری حالت کافی خوشگوار ہوئے تو اس کے نتیجے میں ہندوستان کے تعلقات باہر کے ممالک سے کافی جاندار ہونے لگے۔

(۲) ۔ مسلمانوں کے آنے سے پورے ہندوستان میں ایک قسم کی حکومت قائم ہونے کے نتیجے میں سیاسی بحران کسی حد تک ختم ہوا اور ملک میں ایک سیاسی وحدت اور یکسانیت کی صورت پیدا ہوئی۔ نیز مغلوں کے دورِ حکومت میں سب سے پہلی مرتبہ ملک کو ایک جھنڈے کے نیچے آنے کا موقع فراہم ہوا۔

(۳) ۔ مرکزی حکومت اور صوبائی حکومتوں کے زیر اثر مقامی اور دیسی بولیوں نے بڑی ترقی کی اور ہر علاقے میں ایک ''دیسی ادب'' وجود میں آیا۔ جو یکسر مسلمان فرمانبرداروں کا فیض تھا۔ بنگال کے مسلمان پٹھان بادشاہوں کی ادبی سرپرستی اور ہندؤ بنگالی شاعروں پر انعامات کی بارش کے قصے زبان زدِ خاص و عام ہیں۔ بادشاہوں نے سنسکرت کتابوں کو فارسی اور اُردو میں تراجم کرائے۔

مطلب یہ کہ، ہندوستان میں تہذیب اس چیز کا نام ہے جو صدیوں سے ہندؤ مسلم اتحاد و مشترکہ رہن سہن سے وجود میں آئی ہے جس نے زندگی کے ہر شعبے کو متاثر کیا ہے اور اپنی ایک الگ پہچان قائم کی۔

انسان جب دنیا میں آتا ہے تو سماجی و معاشرتی آداب اپنے ساتھ نہیں لاتا۔ بلکہ ایک دوسرے کے طرزِ عمل سے تہذیبی عناصر کی تشکیل کو وجود میں لاتا ہے۔ یہ عناصر انسان کو خوبصورت زندگی کی تعمیر میں مددگار ثابت ہوتی ہے اور یہ عناصر انسان کا حواسِ خمسہ کے زریعے ادراک، خواہشات، احساسات، ضروریات اور خیالات کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ چناچہ انسان پتھر کے بُت تراشتا ہے اور اپنے اعمال سے طرح طرح کے رسم ورواج کے زریعے زندگی کے معیارات کو قائم کرتا ہے اور اپنے مخصوص کردار کی تشکیل کرتا ہے جیسے بھوک مٹانے کے لیے صرف کھانا کھانے پر اتفاق نہیں کرتا، بلکہ خورد ونوش کی اشیاء میں تنوع پیدا کر کے اپنے ذوق کو بھی تسکین فراہم کرتا ہے اسی طرح اپنے جذبات و احساسات کو اظہار کرنے کے لیے الفاظ تراشتا ہے اور دلکش تصویریں بنا لیتا ہے۔ اخلاق و فلسفہ، معشیت و سیاست اور عقائد و آداب کے گھر تعمیر کرتا ہے۔ یہ سارا طرزِ عمل اس تخلیقیت کی وجہ سے اُبھر کر سامنے آتا ہے جو دوسرے جانوروں میں موجود نہیں ہوتا ہے۔ دراصل طرز زندگی کے اسی عمل کو مختلف نام دیا جاتا ہے جیسے تہذیبی اخلاق، ثقافت اور کلچر وغیرہ۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ہندوستانی سماج میں مشترکہ

تہذیب وثقافت کا ایک خاص رول رہا ہے۔اس سلسلے میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ ہندو اور مسلمانوں کے اپنے اپنے علمی ،تاریخی ،مذہبی ،تہذیبی اور ثقافتی خیالات و رجحانات آپس میں کافی مماثلت رکھتے ہے۔جس کی وجہ سے ان کے آپسی رشتوں میں کافی گہرائیاں اور وسعت پیدا ہوئی ہے۔یہی مضبوطی آگے چل دونوں قوموں کے لیے مشعلِ راہ ثابت ہوئی ہے۔دوسری جانب ان کے درمیان جو اختلافات تھے وہ رفتہ رفتہ ختم ہوتے گئے۔کیوں کہ دونوں مذاہب کے لوگوں نے ایک دوسرے کے رسم ورواج اور رہن سہن کو اپنایا ہے۔ہندوستانی سماج میں جہاں تک تہذیب وتمدن کا تعلق ہے اس میں مسلمانوں کے اپنے مذہبی اور معاشری اُصول وضوابط قرآن کریم میں موجود ہے جس سے استفادہ حاصل کر کے مسلمان اپنی زندگی گزار رہے ہے۔دوسری جانب ہندو تہذیب میں جو مذہبی و معاشرتی اُصول وضوابط قائم ہے اس میں وید، اپ نشد اور گیتا جیسی مذہبی کتابوں کو خاص مقام حاصل ہے۔مجموعی طور پر دونوں مذاہب کے کتابوں میں جو باتیں مشترکہ پائی جاتی ہیں اس میں محبت اور بھائی چارے کا درس ہر جگہ موجود ہے۔اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ہندوستان جیسے وسیع ترین ملک میں ہندو اور مسلمان الگ الگ مذاہب کو ماننے کے باوجود آپس میں بھائی چارے کے ساتھ رہتے ہے۔

حواشی

۱۔ ڈاکٹر کامل قریشی : اُردو اور مشترکہ ہندوستانی تہذیب ص۔۲۵

۲۔ پروفیسر خواجہ احمد فاروقی :اُردو ادب اور قومی یکجہتی ص۔۴۲

استاذ الاساتذہ حضرت **عبدالرحمن جامیؒ**۔حیدرآباد

پندرہ اگست

ہندوستان کا یار یہ پندرہ اگست ہے
آزادی کا خمار یہ پندرہ اگست ہے

گجرات اور بابری مسجد کے غم کے ساتھ
خوشیو کا یہ اعتبار یہ پندرہ اگست ہے

خوشبو بسی ہوئی ہے محبت کی چار سو
پھولوں کا اک نکھار یہ پندرہ اگست ہے

آزاد کون کون ہیں اور کون ہیں غلام
ہم سب پہ آشکار یہ پندرہ اگست ہے

سب لوگ کہہ رہے ہیں تو ہم بھی یہ مان لیں
آزادی کا وقار یہ پندرہ اگست ہے

آؤ منائیں جشن کہ آزاد ہم بھی ہیں
کس درجہ پر بہار یہ پندرہ اگست ہے

خونِ شہیداں لایا ہے رنگ اعتبار کا
جامیؔ کا اعتبار یہ پندرہ اگست ہے

محمد یونس آھنگر پی۔ایچ۔ڈی اسکالر بندلکھنڈ یونورسٹی، جھانسی، یو۔پی
فردوس احمد نجار نیٹ۔سیٹ اُردو مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی

اُردو افسانوں اور ناولوں میں کشمیری مسائل کی عکاسی

زمانے قدیم میں ادب کو خالص وقت گزاری کی چیز سمجھا جاتا تھا لیکن ٹیکنالوجی کے اس زمانے میں ادب زندگی کا آئینہ ہے یعنی انسانی زندگی کے مسائل اس کا جز لازم بن چکے ہیں۔یعنی ادب برائے ادب کے زمرے سے باہر آ کر ادب برائے زندگی کے مرحلے سے جوڑ گیا ہے۔اس کے پس منظر میں مختلف قسم کے وجوہات کارفرما رہا چکے ہیں۔سائنس اور ٹیکنالوجی سے نئے مسائل پیدا ہوے، زندگی کے مختلف شعبہ جات میں نئی نئی تبدیلیاں رونما ہونے لگیں اور انسان بیشتر وقت روزمرہ کے کاموں میں ہی مصروف رہنے لگا تو طویل داستانیں سننے اور سنانے کا وقت بھی اس کے پاس نہیں رہا۔ پھر داستان کی جگہ ناول اور ناول کی جگہ افسانے نے لئے لئے اور ادیبوں نے اپنے گردو پیش کے سماج سے موضوعات چوں کر ناول اور افسانے کو حیات سے قریب تر کرنے کی کوشش کی۔افسانے اور ناولوں میں عام زندگی کے مسائل کی ترجمانی ہونے لگی اور اخلاقی، اصلاحی مقاصد کی غرض سے معاشرے میں پھیلے برے رسومات، کوتاہیوں، حامیوں، الجھنوں، دردو کرب کے اوپر ہزاروں کی تعداد میں افسانے اور ناول وجود میں آ گئے۔مثال کے طور پر مولوی نذیر احمد نے اولاد کی اصلاح کے لئے، پریم چند نے پچھڑے ہوے لوگوں اور جگر درانہ نظام، عصمت نے عورت کے مسائل، منٹو نے جنسی مسائل وغیرہ کو اپنا موضوع بنایا۔ پھر وقت نے کروٹ بدلی اور ٹیکنالوجی نے جہاں لوگوں کیلئے ترقی کے مواقع فراہم کیے۔ وہیں اس سے سماجی، سیاسی، معاشرتی اور اخلاقی مسائل بھی پیدا کیے۔ایسے حالات کا اثر اُردو ادب پر بھی دیکھنے کو ملتا ہے چونکہ ادیب سماج کا ایک ایسا فرد ہوتا ہے جو انسانوں کے دل کا مالک ہوتا ہے وہ ان مسائل کو تحریر میں لاتا ہے۔افسانے نے انسانوں کے دُکھ درد، رنج وغم، دردو کرب، زندگی کے زیر و بم سبھی کچھ اپنے اندر سمیٹ لیا ہے۔

پریم ناتھ پردیسی، پریم ناتھ در اور تیز بہادر بھان ایسے افسانہ نگار تھے جنہوں نے کشمیر کے دردو کرب، ظلم و ستم، عصمت دری اور یہاں کے اندرونی حالات کے اوپر قلم اٹھایا۔انہوں نے کشمیر کی افلاس، محرومی مایوسی، یاس، استحال، ظلم و زیادتی، عدم تحفظ، جاگیردارانہ نظام اور شخصی راج کے خلاف لکھنا شروع کیا۔جب ہم کشمیر کے حوالے سے اُردو فکشن کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ کشمیر میں عورت کو ہر عہد میں مصائب اور تکالیف کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ کبھی عورت کو تحریک حریت میں بھارتی فوج اور عسکریت پسندوں کی وجہ تکلیفیں جھیلنا پڑیں ہیں۔کبھی اس کو تنگ نظریے کی وجہ سے گھر سے باہر جانے سے، اعلی تعلیم اور ملازمت سے روکا

گیا۔جس کی وجہ سے یہ عورت اپنے آپ کو دوسروں پر بوجھ سمجھتی تھی۔اور اپنے آپ کو بے بس ولاچار اور کمزور سمجھتی تھی اور غلاموں جیسی زندگی بسر کرتی تھی۔پھر تحریک حریت کے دوران بھارتی فوج اور عسکریت پسندوں نے ماں سے بیٹا، بہن سے بھائی، بیوی سے شوہر چھین لیا۔کسی کی لاش ملی، کسی کی لاش کو غائب کیا گیا۔کسی کی لاش آدھی ملی، کوئی جیل میں سڑتا رہا تو کوئی سرے سے ہی لاپتہ ہوگیا۔جس کی وجہ سے عورت نفسیاتی مریض بن گئی۔اس سلسلے میں یہاں کہی افسانے اور ناول وجود میں آئے جن میں عورتوں کے مسائل کی عکاسی بھی کے گئی ہے۔مثال کے طور پر نعیمہ مہجور نے اپنے ناول "دہشت زادی" میں مردوں کی بالا دستی، بھارتی فوج اور عسکریت پسندوں کو نشانہ بناتے ہو؟ عورت کی حالاتِ زار کا نقشہ کچھ اس طرح کھینچا ہے۔ظلم وتشدد، دردوکرب کے اس دور میں ہم نے عورت کے شکست خوردہ مقام سے واقف کرایا ہے۔اس سلسلے میں ناول کے حرفِ اول میں مشہور ومعروف نقاد گوپی چند نارنگ یوں رقطراز ہیں۔

.....اس میں رسم ورواج میں جکڑی پابہ زنجیر عورت کا درد بھائی ہے اور وادی میں موجودہ سیاسی کشمکش و قومی تاریخ کے قدموں کے چاپ بھی۔۔۔۔۔۔۔۔مجھے یقین ہے کہ اس کتاب کوئی فقط ایک نیم سوانحی ناول کے طور پر ہی نہیں بلکہ عورت کی پسماندگی کے خلاف ایک پرسوز احتجاجی دستاویز اور وادی کی انسانیت پسند روحانی میراث "ریشیت" کی درد میں ڈوبی ہوئی فریاد کے طور پر بھی پڑھا جائے گا۔

ترنم ریاض تانیثی ادب کی ایک معتبر آواز ہیں۔ ان کے تقریباً تمام ناولوں اور افسانوں میں عورت کے جذبات واحساسات، اس کی محرومیاں، آہیں، سسکیاں، آنسو، دردوکرب اور گھٹن کے ساتھ ساتھ مردانہ بالادستی کے خلاف بغاوت اور احتجاجی رویہ بھی موجود ہے۔جس کی روشن مثالیں ہمیں ان کے ناولوں اور افسانوں میں بڑی بے باکی سے ملتی ہیں۔اس سلسلے میں صغیر افراہیم یوں رقطراز ہیں۔

انہوں نے پدری سماج میں مردوں کو ہدف ملامت بنائے بغیر برائے راست اُن سماجی قدروں کو تختہ مشق بنایا ہے۔جو خواتین کو جلد بندیوں میں رہنے پر مجبور کرتی ہیں۔

اسی طرح جن محمد آزاد نے بھی اپنے ناول "کشمیر جاگ اٹھا" میں مرکزی کردار 'مہتاب' (نسوانی) کے ذریعے عورتوں کی مظلومیت اور محرومیت کی ترجمانی کی ہے۔یہ ناول ڈوگرہ شاہی راج میں عورتوں پر روا رکھے جانے والے مظالم اور جنسی تشدد کی بھی روئیداد ہے۔

آج اور اہم مسئلہ جو اس وقت پوری دنیا کے ساتھ ساتھ ہندوستان میں بھی وباء کی طرح پھیل رہا ہے اور اس میں روز آنہ اضافہ ہوتا جارہا ہے وہ ہے عصمت دری اور جنسی استحال۔خالہ حسین نے اپنے افسانے "کنوار گندل" میں بڑی فنکاری سے اس کی عکاسی کی ہے۔افسانے کا ایک کردار حاجی نفس کی آگ میں اندھا ہوکر اپنے چھوٹے بھائی کی بیوہ عورت کو اپنے ہی گھر میں دبوچ لیتا ہے۔جس کا نام گلاں ہوتا ہے۔وہ بے حرمتی کی آگ میں جلتے رہتی ہے۔اس کا جسم حاجی کی روز کی خوراک بن جاتا ہی اور گلاں بے بس ولاچار ہوکے رہ جاتی ہے۔اس افسانے کا ایک اقتباس ملاحظ ہو۔

کل سیاہ کالی رات تیز آندھی میں جو بجلی گری، وہ انسانی بجلی۔۔۔۔۔۔۔حاجی کے روپ میں سیدھی گلاں پر ہی گری تھی جس سے گلاں کا سارا جسم جھلس گیا۔۔۔۔۔۔ گلاں جو میں مٹھو کی طرح اپنے آپ کو اس گھر کے پنجرے میں محفوظ سمجھتی تھی، اسے پنجرے میں ہی بلی نے دبوچ لیا۔

اسی طرح عصر حاضر میں عورتوں اور نوجوان لڑکیوں کی خودکشی میں غیر معمولی اضافہ ہو رہا ہے جس کی وجہ سماج میں مردوں کی بالادستی، عورتوں پر زیادتی، ظلم و استحال، جنسی بے راہ روی، پیار و محبت کے نام پر دھوکہ، فریب کاری وغیرہ۔ اس جانب شیخ بشیر احمد نے اپنی کہانی "صدمہ" میں واضح اشارے کیے ہیں کہ ایک مرد اپنی جنسی ہوس پوری کرنے کے بعد کنارا کش ہو جاتا ہے لیکن حاملہ دوشیزہ خودکشی کر کے موت کی اپنے گلے لگا لیتی ہے۔ اسی طرح کرن کشمیری نے اپنے ناول "رات اور زلف" میں منورا ما کے نسوانی کردار کے ذریعے محبت کے دلدل میں پھنسی ایک عورت کی بپتا پیش کی ہے۔ وہ محبت کے لیے اپنا سب کچھ چھوڑ کر اپنے عاشق کے ساتھ بھاگ جاتی ہے۔ لیکن اس کا عاشق اسے دھوکہ دیتا ہے، جس کی وجہ سے اس کی زندگی اجیرن بن جاتی ہے کیونکہ وہ سماج میں اپنا مقام، عزت آبرو سب کچھ کھو دیتی ہے۔ اسے حقارت بھری نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ خودکشی کرنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ یہاں کے اُردو فکشن میں ایسی اور بھی بہت ساری مثالیں دیکھنے کو ملتی ہیں جیسے پشکر ناتھ، نور شاہ، وغیرہ نے اپنے اپنے ناولوں اور افسانوں میں پیش کیا ہیں۔

دہشت گرد ایک سنگین مسئلہ ہے جو کہ عالمی مسئلہ کی صورت اختیار کر چکا ہے۔ خصوصاً کشمیری عوام کو جس پر آشوب دور کا سامنا کرنا پیدا ہے۔ اور اس سے پنپنے والے مسائل اور بحران کو یہاں کے کئی افسانہ نگاری اور ناول نگاروں نے اپنے ناولوں اور افسانوں کا موضوع بنا کر پیش کیا گیا ہے۔

اس سلسلے میں نعیمہ مہجور کا ناول ''دہشت ذادی" بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ انہوں نے اس نوبیل میں تحریک آزادی اور اس سے پیدا ہونے والے بہت سے تاریک گوشوں پر روشنی ڈالی ہے۔ جیسے کہ عسکریت پسند لوگوں کے گھروں میں پناہ لینے کے لئے جاتے ہیں اور اگر لوگ اُنہیں پناہ دینے سے انکار کرتے ہیں تو وہ اُن کے عتاب کا شکار ہو جاتے ہیں اور اگر پناہ دیتے بھی ہیں تو پھر ان کو بھارتی فوج کا ظلم و ستم اور بربریت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اسی طرح عسکریت پسندوں اور بھارتی فوج کے مابین جب تصادم آرائی ہوتی ہے تو مظلوم کشمیری عوام اور معصوموں کا بھی قتل ناحق ہوتا ہے اور کشمیریوں کو طرح طرح کی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جیسے کریک ڈاؤن اور تلاشی کاروائیاں ہوتی ہیں جس کی وجہ سے لوگوں میں خوف و ہراس پھیل جاتا ہے۔ نعیمہ مہجور نے اس ناول میں تصادم آرائی کے خونین مناظر کی بھی منظر کشی کی ہے۔ جیسے ایک بار عسکریت پسندوں نے اسپتال میں پناہ لی اور باہر بھارتی فوج اُن کو تلاش کر رہی تی اس اثناء میں گولیوں کی چلنے کی آواز آئی اور اسپتال میں ہی کراس فائرنگ شروع ہوئی۔ اس دوران لیبر روم میں ایک بچے نے جنم لیا جس کا نام طنزیہ کراس فائرنگ بے بی رکھا جاتا ہے۔ پیش ہے اس ناول کا یہ اقتباس:

۔۔۔۔۔۔۔گیٹ کے سنتے والے بنکر سے فوجیوں نے

مشین گن سے اندھا دھند فائرنگ کر دی جو او۔ پی۔ڈی کے سامنے مریضوں اور تیمارداروں کو کہ رہی ہیں اور وہ ایک ایک کر کے گرتے جا رہے ہیں۔۔۔۔کراس فائرنگ کی زد میں مریض ہیں یہ اُن کے تیماردار کو گر کر تڑپ رہے ہیں۔۔۔۔ درجنوں کہوں میں لت پت ہیں۔۔۔۔۔۔فوجی بے قابو ہو کر رجسٹرار کے دفتر کو تہس نہس کرنے لگے اور اب اسے بارود سے اُڑھانے کی تیاری میں ہے کہ ہسپتال کا عملہ ان کو روکنے کے جتن کر رہا ہے۔۔۔۔۔۔ دفتر خالی ہے اور عسکریت پسند کب کے یہاں سے جا چکے ہیں۔قتل و غارت گری کے بازار کا ایک اور صفحہ رقم ہو گیا ہے۔کشمیر میں اب ہر واقعے کے بعد محسوس ہوتا ہے کہ یہ پہلے سے بھی بدتر تھا۔

اسی طرح نور شاہ نے بھی اپنے کئی افسانوں میں دہشت گردی اور اس سے متعلقات کو موضوع بنا کر اس سے جنم لینے والے مسائل کو ابھارنے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی ہے۔ملی ٹینسی کے دور میں کشمیر اور کشمیریوں کے لیے بہت سے مسائل پیدا ہو گئے اور یہاں کے عوام کی معاشی،معاشرتی، سیاسی اور سماجی سطح پر پسماندگی کا شکار ہو گئے۔ احتجاجی ریلیاں نکالی جاتی ہیں تعلیمی نظام درہم برہم ہو گیا،نوجوان جن میں بعض اعلیٰ تعلیم یافتہ بھی شامل ہیں۔، ہے راہ روی کا شکار ہو کر غلط راستہ اختیار کرتے ہیں۔دہشت گردانہ ماحول کی نظر نہ جانے کتنے معصوم لوگ ہو چکے ہیں۔اُن کے عزیز و اقارب، دوست و احباب اُن کے غم میں تڑپتے ہیں۔نور شاہ اس سلسلے میں تحریر کرتے ہیں۔

۔۔۔۔۔۔اس دوران یہ جنّت دھیرے دھیرے آہستہ آہستہ رک رک کر ایک نیا روپ اختیار کر گئی۔۔۔۔۔جہنم کا روپ۔۔۔۔۔۔۔۔آگ کے شعلے، قتل و غارت، آبرو ریزی، ناانصافی۔۔۔۔۔۔ اور پھر آج عجیب سی بات ہوئی۔لگاتار بہت سے نوجوان لاپتہ ہو گئے۔ بسیار تلاش کے بعد ان کے بارے میں کوئی جانکاری نہ ملی۔پھر ایک ہنگامہ ہوا،لوگ متحرک ہو گئے اور حراستی ہلاکتوں کے خلاف سڑکوں پر آ گئے،تلاش شروع ہوئی۔کئی بے نام قبروں سے برآمد کی گئیں۔

نور شاہ کا لکھا ہوا مختصر افسانہ "آسمان، پھول اور لہو" جو کشمیر کے نامساعد حالات پر لکھا ہوا افسانہ ہے۔اس ناول کا یہ اقتباس پیش ہے:

"حلیمہ بی بی جو چند روز قبل اپنی بیٹی خالدہ کے ساتھ ایک شادی میں شرکت کرنے کی غرض سے سرینگر سے ورمل جا رہی تھی اور بس اسٹینڈ کے قریب ایک گرنیڈ پھٹنے کے دوران شدید زخمی ہوئی تھی،کو رات زخموں کی تاب نہ لا کر اللہ کو پیاری ہو گئیں،اُن کی دس سالہ بیٹی موقعے پر ہی جاں بحق ہو گئی تھی۔۔۔۔۔

اسی طرح کشمیر لال زاکر نے بھی اپنے ناول "لال چوک" میں دہشت گردانہ واقعات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ دہشت گردوا قعات یہ حملوں میں بیرون ریاست کام کرنے یہ غیر ملکی سیاح اور کشمیری عوام بھی بلی چڑھتے ہیں۔

1991 کے بعد کشمیر کے حالات بدل گئے۔ جنّت کی اس وادی بے نظیر میں ہر جگہ گولیوں اور دھماکوں کی گن گرج سنائی دینے لگی۔ ہے طرف افراتفری کا ماحول پیدا ہو گیا۔انسان کہوں پانی کی طرح بہنے لگا، ذہن نے

سوچنا چھوڑ دیا، لوگ بے گھر، بے سکون اور بے وطن گئے۔ اس دور کی عکاسی یہاں کے افسانہ اور ناول نگاروں کی تخلیقات امی جابجا نظر آتی ہے۔

الغرض موضوع کے لحاظ سے جمّوں کشمیر میں اُردو افسانہ نگار اور ناول نگار الگ الگ نقطہ نظر کے حامل نظر آتے ہیں۔ کچھ کشمیر کی سیاسی ناپائیداری، ناانصافی، رشوت خوری، بے روزگاری، دہشت گردی، کرفیو، ہڑتال، پولیس اور فوجیوں کے ہاتھوں ڈھائے گئے مظلی، عصمت ریزی لوٹ مار جیسے موضوعات پر لکھ رہے ہیں ان میں عمر مجید، نورشاہ، شبنم قیوم، ترنم ریاض، منظور اختر، زاہد مختار، نکہت نظر، وحشی سعید وغیرہ شامل ہیں۔ جمّوں وکشمیر کے افسانہ اور ناول نگاروں نے حالات، بھوک، افلاس وغیرہ کو موضوع بنا کر بہت سے سماجی مسائل کی عکاسی کی ہیں۔ ان کی تخلیقات میں عام انسانوں کہ درد وکرب جھلکتا ہے اور وہ کشمیری عوام سے متعلقہ ہر چھوٹے بڑے مسئلے کو اجاگر کرتے رہتے ہیں۔ جس سے مسائل پائے جاتے ہیں۔ اور ہمیں کون سے تدارک کرنے چاہیے جن سے ان مسائل کا ازالہ ممکن ہوسکتا ہے۔

حوالہ جات

1 پروفیسر حامدی کاشمیری، ریاست جمّوں وکشمیر میں اُردو ادب، رچنا پبلی کیشنز جمّوں، 2010 ص 80

2۔ ڈاکٹر برج پریمی، جمّوں کشمیر میں اُردو ادب کی نشونما، رچنا پبلی کیشنز جمّوں، 2004۔ ص 29، 30

3۔ نعیمہ احمد مہجور، دہشت زادی، میزان پبلی کیشنز، سرینگر کشمیر، 2012 ص 3

4 نورشاہ، کیسا ہے یہ جنون، میزان پبلی کیشنز، سرینگر کشمیر، 2012 ص 6

5 نورشاہ، آسمان، پھول اور لہو۔

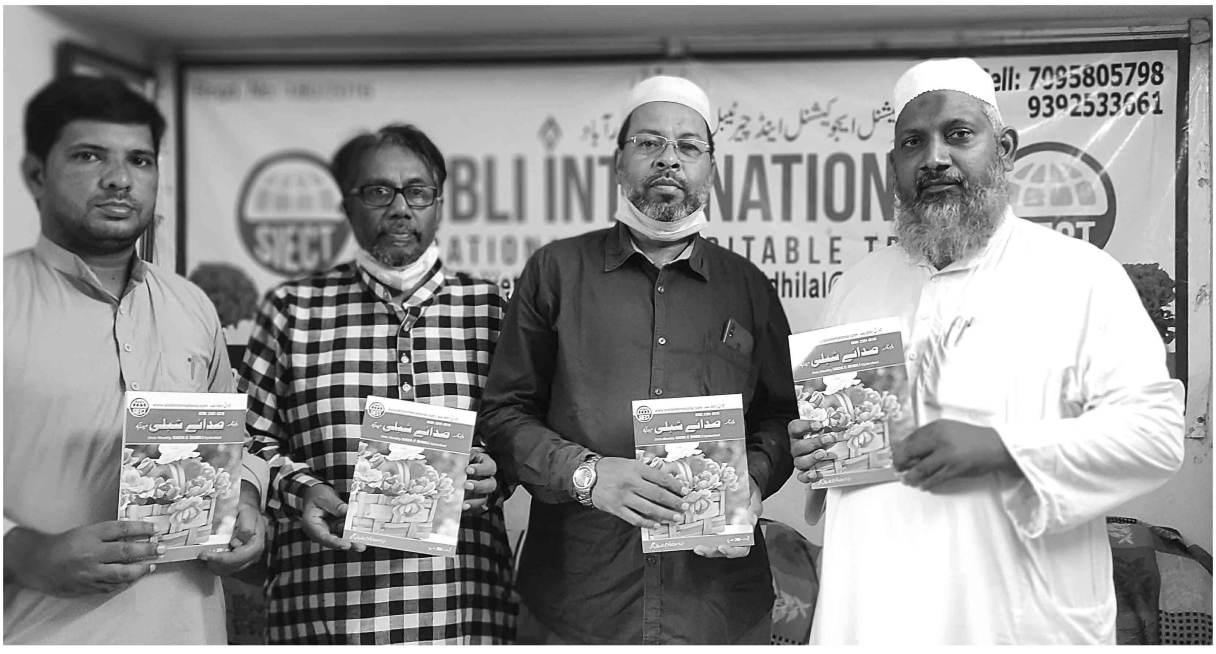

شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ کے دفتر میں ماہنامہ ''صدائے شبلی'' حیدرآباد جولائی ۲۰۲۱ء کا شمارہ ڈاکٹر مظفر علی ساجد ڈاکٹر مختار احمد فردین، محسن خان، ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی ایڈیٹر ماہنامہ صدائے شبلی کے ہاتھوں میں

''یہ نہ تھی ہماری قسمت''
مطالعہ کی روشنی میں

ماہنامہ صدائے شبلی میں ہر ماہ ادارے کی طرف سے کتاب پر تبصرہ کیا جائے گا، اس لئے مصنفین، مولفین اور مرتبین سے گزارش ہے کہ وہ تبصرے کے لئے دوعدد کتابیں ضرور ارسال کریں۔ (ادارہ)

مولانا انصار احمد معروفی
استاد مدرسہ چشمہ فیض۔ ادری۔ ضلع مئو۔ یوپی

طنز ومزاح کی دنیا میں ڈاکٹر عابد معز صاحب کا نام محتاج تعارف نہیں۔ وہ کم وبیش چار دہائی سے اس موضوع پر برابر لکھ رہے ہیں اور چھپ بھی رہے ہیں۔ جب تک وہ ملازمت کے سلسلے میں سعودی عرب میں مقیم تھے۔ اس کے پہلے اور بعد تک وہ اس صنف سے وابستہ رہے ہیں۔ اور اب تک اس سے اپنا قلبی اور قلمی رشتہ جوڑے ہوئے ہیں۔ اس موضوع پر ان کی ایک درجن سے زیادہ کتابیں شائع ہوکر مقبول عام وخاص ہوچکی ہیں۔

ان کے شگفتہ افسانوں کے کئی مجموعے شائع ہوچکے ہیں۔ جن میں۔ عرض کیا ہے۔ فارغ البال۔ اور۔ یہ نہ تھی ہماری قسمت۔ شامل ہیں۔ اگر چہ فارغ البال ان کے انشائیوں کا مجموعہ ہے۔

یہ نہ تھی ہماری قسمت۔ ان کے 18 افسانوں کا مجموعہ ہے۔ جو 176 صفحات پر مشتمل ہے، یہ مجموعہ 2012 میں ہدی بک ڈسٹری بیوٹر۔ حیدرآباد نے شائع کیا ہے۔ جس کی قیمت 150 روپئے ہے۔

جن میں سے اکثر افسانوں میں زندگی کے روزمرہ کے معاشرتی مسائل۔ کو شگفتہ ظرافتی انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ جن میں مزاح کی چاشنی کے ساتھ طنز کے نشتر بھی جابجا نظر آتے ہیں۔ جن کے ذریعے معاشرے میں پنپنے والے تکلیف دہ مسائل کو طنز کی جراحی سے صفائی کا کام لیا گیا ہے۔ اور بڑی مہارت سے ان کے حل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ڈاکٹر عابد معز صاحب نے ایسا انداز تحریر اختیار کیا ہے جس سے قاری ان کے تخیل کی بلندی اور ان کے خوش اسلوب طرز تحریر کی سحر آفرینی میں کھو جاتا ہے۔ اور ایسا سمجھتا ہے جیسے وہ اس کی خود اپنی داستان ہے۔ جس کو قلم کار اپنی زبان میں ادا کر رہا ہے۔

ان میں سے اکثر افسانے ماہنامہ رابطہ کراچی۔ افکار لاہور۔ شگوفہ حیدر آباد وغیرہ میں 1980 اور 1995 کے درمیان شامل اشاعت ہوچکے ہیں۔

ڈاکٹر عابد معز صاحب نے اکثر افسانوں میں خود کو اور اپنی بیگم کو طنز کا نشانہ بنا کر مزاح پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ بڑے دل گردہ کی بات ہوتی ہے کہ انسان خود کو ہدف طعن وتشنیع بنائے۔ اور پھر دوسروں کو ہنسنے کا سامان فراہم کرے۔

کلیم چغتائی ایڈیٹر ماہنامہ رابطہ کراچی کتاب کے مقدمے میں ان کے اسلوب نگارش کی خوبیاں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔۔

عابد معز کی حس مزاح بہت عمدہ ہے۔ ان کی شگفتہ تحریروں کو پڑھتے ہوئے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ننھی ننھی پھلجھڑیاں چھوٹ رہی ہوں۔

ڈاکٹر صاحب کا ایک مضمون عاشقوں کی عید ہے۔

جس میں انھوں نے دوسرے عشاق کی طرح۔ یوم عاشقان۔ پر کارڈ بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ مگر شادی کے بیس سال بعد۔

وہ لکھتے ہیں۔۔ میرے دل نے بھی چاہا کہ میں عاشقوں کی عید مناؤں۔ اور کسی کو کارڈ اور تحفہ بھیجوں۔ میں نے اپنی زندگی کا جائزہ لیا تو ایک بھی لڑکی ایسی نہ ملی۔ جس سے مجھے عشق ہوا تھا۔ عشق تو دور کی بات ہے

کوئی لڑکی ایسی بھی نہ تھی جو پہلی نظر میں پسند آئی تھی۔ کسی کو پسند کرنے اور چاہنے یا کسی سے عشق کرنے سے پہلے ہی بزرگوں نے غالباً حفظ ماتقدم کے طور پر میری شادی کردی تھی۔ اب میرے لیے بیگم ہی ایک ایسی ہستی تھیں بلکہ ہیں جنھیں میں عاشقوں کی عید پر کارڈ بھیج سکتا تھا۔ دوسروں کے بارے میں سوچا تو اپنی عزت اور اپنا سر یاد آیا۔ ادھیڑ عمر میں دونوں کے متاثر ہونے کا امکان تھا۔ آخر مجبور ہوکر میں نے بیگم ہی کو کارڈ بھیج کر عاشقوں کی عید منانے کا ارادہ کیا۔

اب جو مضحکہ صورت حال ہوئی۔ اور جو جو مراحل پیش آئے۔ کارڈ پہنچنے کے بعد شوہر کی حالت زار اور امید کے برخلاف جو سنگین اور نازک مرحلہ درپیش ہوا۔ اس کا اندازہ تو پورا افسانہ پڑھنے کے بعد ہی ہوگا۔

البتہ آخر میں کیا ہوا؟ اور بیگم نے طیش میں آکر کیا کیا؟ اسے مصنف کے الفاظ میں سنیے۔۔ صورت حال کی نزاکت کے پیش نظر میں خاموش رہا۔ کیا جواب دیتا۔ بیگم نے طیش میں آکر کارڈ کے پرزے پرزے کردیئے اور آنکھیں نکال کر اونچی آواز میں پوچھا عاشق صاحب۔ آپ نے اور کس کس کو عاشقوں کی عید کی مبارکباد بھیجی ہے؟ اب یہ بتانا غیر ضروری ہے کہ میں بغلیں جھانکتے ہو؟ اس گھڑی کو کوس رہا تھا جب میں نے ویلنٹائن ڈے کارڈ بیگم کو بھیجنے کا فیصلہ کیا تھا۔

الغرض پوری کتاب میں اسی طرح کی مضحکہ خیز صورت حال پیدا کرکے مزاح پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اس لیے۔ یہ نہ تھی ہماری قسمت۔ کتاب لائق مطالعہ اور طنز و مزاح سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے بہترین تحفہ ہے۔ اس کے مطالعہ کے بعد وصال یار کی تمنا بڑھ جائے گی۔

DR. S.J HUSSAIN
MD (Unani)
Former director Incharge
Central Research Institute Of Unani Medicine
Govt of India

website: www.unanicentre.com
Email:syedjalilhussain@gmail.com
jaleel_hussain@yahoo.com

Dr. Jaleel's

یونانی سینٹر فار کارڈیک کیر

UNANI CENTER FOR CARDIAC

Consultation Time
Morning:9:00 am to 3:00 pm-Evening:7:00 pm to 9:30 pm
(Friday Morning and Sunday Evening Closed)

Cell:
+91 8142258088
+91 7093005707

Adress -: No: 8-1-332/3/B-69, RoadNo 1(A)Arvind Nagar Colony
Tolichowk Hyderabad - 500008 T.S India

سوچھ بھارت
ایک قدم صفائی کی جانب

राष्ट्रीय उर्दू भाषा विकास परिषद् قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان

National Council for Promotion of Urdu Language

Ministry of Education, Department of Higher Education, Government of India

Farogh-e-Urdu Bhawan, FC-33/9, Institutional Area, Jasola, New Delhi-110025
Ph: 011-49539000, Fax: 011-49539099, Website: www.urducouncil.nic.in, E-mail: director@ncpul.in

75واں جشن آزادی مبارک

قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، حکومت ہند کی سرگرمیاں

- قومی اردو کونسل نے ’وبائی دور میں اردو میڈیا کا کردار اور ذمہ داریاں‘ کے موضوع پر 29 جون، 2020 کو آن لائن مباحثہ کا انعقاد کیا۔
- قومی اردو کونسل نے یک روزہ ویبینار ’آن لائن اردو زبان و ادب کی تدریس: مسائل اور امکانات‘ کے عنوان سے 8 جولائی، 2020 کو منعقد کیا۔
- قومی اردو کونسل نے ’اردو ڈرامہ: ہندوستانی تہذیب و معاشرہ‘ کے موضوع پر 21 جولائی، 2020 کو آن لائن مذاکرہ کا انعقاد کیا۔
- قومی اردو کونسل نے ’ہندوستان کے قانونی اور انتظامی نظام میں اردو کا رول‘ کے موضوع پر یک روزہ آن لائن مباحثہ 5/اگست، 2020 کو منعقد کیا۔
- قومی اردو کونسل نے بھارتیہ ودیا پیٹھ انسٹی ٹیوٹ آف کمپیوٹر ایپلی کیشن اینڈ مینیجمنٹ کے اشتراک سے جشن آزادی کے موقع پر آن لائن مشاعرہ 16/اگست، 2020 کو منعقد کیا۔
- قومی اردو کونسل نے دو روزہ عالمی اردو ویبینار ’الیکٹرانک اور سوشل میڈیا کے دور میں اردو مصنفین کی ذمہ داریاں‘ کے عنوان سے 27-28/اگست، 2020 کو منعقد کیا۔
- قومی اردو کونسل نے 'عصر حاضر میں گاندھی کی معنویت‘ کے موضوع پر 30 ستمبر، 2020 کو آن لائن لیکچر کا انعقاد کیا۔
- قومی اردو کونسل نے ’اردو شاعری کا عصری منظرنامہ‘ کے موضوع پر 28/اکتوبر، 2020 کو آن لائن مباحثہ کا انعقاد کیا۔
- قومی اردو کونسل نے ’مولانا ابوالکلام آزاد: بحیثیت ایک ہندوستانی مفکر‘ کے موضوع پر آن لائن لیکچر 11 نومبر، 2020 کو منعقد کیا۔
- قومی اردو کونسل نے ’اردو فکشن کا عصری منظرنامہ‘ کے موضوع پر 10 دسمبر، 2020 کو آن لائن مباحثہ کا انعقاد کیا۔
- قومی اردو کونسل نے ’اردو فکشن: عورت کی کہانی عورت کی زبانی‘ کے موضوع پر 21 جنوری، 2021 کو آن لائن مباحثہ کا انعقاد کیا۔
- قومی اردو کونسل نے ’ہمعصر اردو شاعری اور تانیثی تناظر‘ کے موضوع پر 30 مارچ، 2021 کو آن لائن مباحثہ کا انعقاد کیا۔
- قومی اردو کونسل کا آدھے گھنٹے کا ہفتہ وار ٹیلی ویژن پروگرام ’اردو دنیا‘ ہر سنیچر کو رات 8:00 بجے اور ہر اتوار صبح 10:30 بجے نیوز 18 پر ٹیلی کاسٹ ہوتا ہے۔ اس پروگرام میں اردو زبان و ادب، تہذیب و ثقافت کی نمائندگی کرنے والی تقریبات کی جھلکیاں، قومی کونسل کی خبریں اور وزارت تعلیم کی اقلیتوں سے متعلق تعلیمی اسکیموں وغیرہ کی معلومات فراہم کی جاتی ہیں۔
- قومی اردو کونسل ان اردو اخبارات کی جانب سے یو این آئی کو مالی معاونت فراہم کرتی ہے جو یو این آئی اردو سروس کو سبسکرائب کرتے ہیں۔ یکم اپریل 2020 تا 31 مارچ 2021 کے دوران 347 اخبارات کی جانب سے یو این آئی اردو سروس کو 1,98,25,000/- روپے کی مالی معاونت فراہم کی گئی۔
- قومی اردو کونسل کی اسکیم ”تھوک خریداری کتب، رسائل و جرائد“ کے تحت مالی سال 2020-21 میں تقریباً 97 لاکھ روپے کی اردو، عربی اور فارسی کتب و جرائد کی خریداری عمل میں آئی جن میں 259/اردو کتابوں کے ساتھ 9 عربی و فارسی کتابیں اور 83 رسائل و جرائد شامل ہیں۔
- ”مالی تعاون اسکیم برائے اشاعت مسودات“ کے تحت مالی سال 2020-21 میں 282 مصنفین کو تقریباً 101 لاکھ روپے کی مالی امداد فراہم کی گئی۔
- ”مالی تعاون اسکیم برائے سمینار/کانفرنس اور ورکشاپ“ کے تحت کونسل نے مالی سال 2020-21 میں 265 رضاکار تنظیموں/اداروں کو تقریباً 137 لاکھ روپے کی مالی معاونت کی۔
- قومی اردو کونسل نے اپنے اشاعتی پروگرام کے تحت مالی سال 2020-21 میں مختلف موضوعات پر 40 کتابیں اور نصاب کی 43 کتابیں شائع کی ہے۔ اس طرح کونسل کی مجموعی تعداد اشاعت 1440 سے متجاوز ہے
- سہ ماہی رسالہ ’فکر و تحقیق‘ کا ارتکاز تحقیقی موضوعات پر ہے۔ علمی و ادبی حلقوں میں یہ علمی و تحقیقی مجلہ قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اس میں کلاسیکی ادب، عالمی ادبیات، معاصر ادبی تحریکات و رجحانات پر مضامین شائع کیے جاتے ہیں۔ سالانہ زر تعاون 100 روپیہ ہے۔
- ماہنامہ ’اردو دنیا‘ ادب، سماج، ثقافت، سائنس، تکنالوجی اور دیگر عصری موضوعات پر مشتمل ایک مکمل مجلہ ہے جس کے قارئین کا ایک بڑا حلقہ ہے۔ ’اردو دنیا کے خصوصی شماروں کو بھی ادبی حلقوں میں بے حد پسند کیا گیا۔ اس رسالے کا سالانہ زرِ تعاون 150 روپے ہے۔
- ادب اطفال کو فروغ دینے کے لیے قومی اردو کونسل کا باتصویر رسالہ ’بچوں کی دنیا‘ آج صرف ہندوستان نہیں بلکہ پوری دنیا میں بچوں کا مقبول ترین رسالہ ہے۔ اس رسالہ میں بچوں کی ذہنی اور تحریری تربیت کے علاوہ دل چسپی کا سارا مواد موجود ہے۔ سالانہ زرتعاون 100 روپیہ ہے۔
- قومی اردو کونسل نے آدھی آبادی کے جذبات و احساسات کے ترجمان کے طور پر ماہنامہ ’خواتین دنیا‘ کا آغاز مارچ 2017 سے کیا ہے۔ رسالے میں خواتین کی نگارشات کے ساتھ ساتھ، آرائش و زیبائش، حسن و صحت اور لذیذ پکوان جیسے مستقل کالم بھی ہیں۔
- ekitaab کے نام سے کونسل نے ایک موبائل ایپ تیار کروایا ہے۔ اس ایپ کے ذریعے کونسل کی کتابوں کو موبائل، ٹیب لیٹ اور آئی پیڈ پر پڑھا جا سکتا ہے۔ آپ اس ایپ کو اپنے موبائل میں Play Store یا App Store کی مدد سے آسانی سے ڈاؤن لوڈ کر سکتے ہیں۔
- قومی اردو کونسل کے ذریعہ قائم مراکز میں تعلیمی سرگرمیوں کو جاری رکھنے کے لیے کونسل نے آن لائن کلاس کا انتظام کیا ہے۔ اس کے لیے ادارے کی جانب سے کمپیوٹر مراکز کے تمام طلبا اور اساتذہ کو مائیکرو سافٹ ٹیم پلیٹ فارم کے لیے یوزر آئی ڈی مہیا کرائی گئی ہے تاکہ تعلیمی سرگرمی متاثر نہ ہو۔
- کونسل نے اردو کتابوں کا آن لائن مطالعہ کرنے کے لیے ایک ای لائبریری ویب سائٹ www.urdu-elibrary.com بھی تیار کروائی ہے۔ اس پلیٹ فارم کے ذریعے کونسل کی کتابوں کا Unicode میں مطالعہ آپ اپنے کمپیوٹر پر آسانی کے ساتھ کر سکتے ہیں۔
- کونسل نے اپنی ویب سائٹ www.urducouncil.nic.in کو اردو پورٹل میں تبدیل کروایا ہے۔ اب محبان اردو اس پورٹل کے ذریعہ اردو کتابوں، اردو مضامین، ڈکشنری و اردو سیکھنے کے علاوہ بہت سی چیزوں کا فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔
- کشمیر میں پیپر میشی کے ہنر کو فروغ کے لیے اردو کے ذریعہ چھ مہینے کے کورس کو باقاعدہ ایک اسکیم کے طور پر منظوری دے دی ہے۔ جسے Srinagar CDI کے تعاون سے چلایا جائے گا۔
- قومی اردو کونسل اردو کے فروغ کے لیے کمپیوٹر (CABA-MDTP) اردو، عربی اور فارسی ڈپلومہ کورسیز کا اہتمام کرتی ہے۔
- منسٹری آف اسکل ڈولپمنٹ نے کونسل کے یک سالہ کورس سرٹیفکٹ اِن کمپیوٹر ایپلیکیشنز، بزنس اکاؤنٹنگ اور ملٹی لنگول ڈی۔ٹی۔پی (CABA-MDTP) کو لیول۔4 کے تحت منظور کیا ہے۔
- فن خطاطی کے فروغ کے لیے قومی اردو کونسل کیلی گرافی و گرافک ڈیزائن کا تربیتی کورس چلاتی ہے۔ اس وقت کیلی گرافی و گرافک ڈیزائن کے 66 مراکز مختلف صوبوں میں قائم ہیں۔
- "BOOKS ON WHEEL" پروگرام کے تحت قومی اردو کونسل دور دراز کے علاقوں میں موبائل وین کے ذریعے قاری سے اپنا رشتہ استوار کر رہی ہے۔ اس وقت کونسل کی موبائل وین تلنگانہ اور آندھرا پردیش میں گشت پر ہے۔

ڈاکٹر شیخ عقیل احمد
ڈائرکٹر

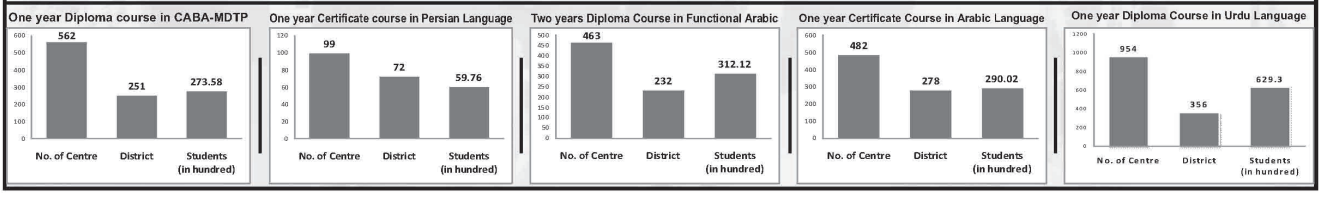

ORANGE GATE
PROPERTIES

Rs.
5499/-
Per Sq. Yd.

Orange Gate
Fortune Farm
@Shannkarpalli

PRINCE DEVELOPERS
Walk into Nature

Office Address
#10-3-304/D, Bepin Nivas, Humayun Nagar,
Masab Tank, Hyderabad (D)

Site Address
101 (P), 104 (P), Vattimeenapally (V),
Nawabpet (M), Vikarabad (D)

8317692718
9392533661

NEW GAZALA SAREES

All kinds of Wedding Sarees, Suits & Sharara

+91 9848668219, 8686978846

#23-2-241, Volta Hotel Lane, New Moghalpura, Hyderabad, T.S.

Urdu Monthly
SADA E SHIBLI
Hyderabad

Aug. 2021

RNI: TELURD/2018/77022
ISSN: 2581-9216

Rs. 20/-

مجتبیٰ ٹکسٹائلس

MUJTABA
TEXTILES FOR THE GENTLEMAN IN YOU

#20-4-20/6/1, 20-4-20/7/5 & 7/6, Punch Mohalla, New Laad Bazar,
Khilwath, Hyderabad. T.S. India
Ph: +91 6281040896 - Email: mujtabatextiles18@gmail.com - Web: www.mujtabatextiles.com
Follow us on facebook: https://www.facebook.com/mujtaba.textiles.1

Editor, Printer, Published & Owned by Mohd. Muhamid Hilal
Printed at Daira Electric Press, #22-8-143, Chatta Bazar, Hyderabad. 500 002.
Published at #17-3-352, B1, 2nd Floor, Bafana Complex, Dabeerpura, Hyderabad - 23, T.S
Cell: 9392533661, 8317692718, Email: muhamidhilal@gmail.com